سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

۔۔۔مسافر نواز بہتیرے

(سفرنامہ متحدہ عرب امارات)

مصنف

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

تقسیم کار

مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

پن کوڈ:276403 موبائل:9235327576

تفصیلات

نام کتاب	:	مسافرنواز بہتیرے (سفرنامہ متحدہ عرب امارات)
مصنف	:	ضیاءالحق خیرآبادی
صفحات	:	72
طبع اول	:	۲۰۲۳ء
ناشر	:	ضیاءالحق خیرآبادی
نوعیت	:	برقی ایڈیشن
ای میل	:	zeyaulhaqueKbd@gmail.com

تقسیم کار
مکتبہ ضیاءالکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مولف

یہ متحدہ عرب مارات کے پندرہ روزہ سفر کی روداد ہے۔ بغیر کسی خاص پروگرام اور پلان کے استاذی مولانا ضیاء الدین صاحب کی معیت میں تقدیر الٰہی نے ۱۱رفروری کو امارات کی سرزمین پر پہنچادیا، وہاں دوستوں اور تلامذہ و متعلقین نے جس پذیرائی اور محبت کا ثبوت دیا وہ ہمارے گمان اور حیثیت دونوں سے بڑھ کر تھی۔ سفرنامہ لکھنے کا کوئی ارادہ نہ تھا لیکن مولانا ضیاء الدین صاحب اور میزبان محترم مولانا شفیق احمد صاحب قاسمی کی ایماء پر امارات پہنچنے کے کئی دن بعد لکھنا شروع کیا۔ العین پہنچنے کے بعد عزیزم مولانا شفیع اللہ فراہی قاسمی نے کچھ اس انداز میں اس کی افادیت بیان کی کہ مجھے بھی محسوس ہوا کہ اسے ذرا اہتمام اور توجہ کے ساتھ لکھنا چاہئے۔ مولانا شفیق صاحب کی رائے یہ تھی کہ ایک دن کی روداد چاہے وہ جتنی ہو ایک قسط میں لکھوں، اس لئے کہ طویل تحریریں لوگ پڑھتے نہیں، ایک نگاہ غلط انداز ڈال کر ایک طرف کر دیتے ہیں۔ بعد کے تجربات سے ثابت ہوا کہ یہ مشورہ مفید تھا۔ اکٹھا لکھنے میں نہ جانے لکھ بھی پاتا یا نہیں، اس طرح تو کسی نہ کسی طرح لکھ لیتا تھا، میں نے ابتداء میں یونہی بے کیفی کے ساتھ لکھنا شروع کیا تھا، گمان یہی تھا کہ دو چار قسطوں میں معاملہ تمام ہوجائے گا، لیکن جیسے جیسے قلم کا سفر آگے بڑھتا رہا، قارئین کی دلچسپی اور حوصلہ افزا آراء سامنے آنے لگیں تو میرا جی بھی چاہا کہ ایک دم سے سرسری طور پر نہ گزروں بلکہ مشاہدات کے ساتھ وہاں کی کچھ تاریخ بھی اس سفرنامہ کا حصہ بنے، چنانچہ کچھ وہاں کے لوگوں سے اور کچھ مطالعہ سے معلومات حاصل کر کے اس میں شامل کر دیا۔ اس سلسلہ میں مولانا شفیع اللہ نے بہت مدد کی، زیادہ تر معلومات انھوں نے فراہم کی، جس سے اس سفرنامہ کی افادیت کافی بڑھ گئی۔

میں ایک دوروز میں ایک قسط لکھ کر مختلف واٹس ایپ گروپ اور فیس بک پیج پر شیئر کر دیتا تھا، بیس قسطوں میں سفر کی یہ داستان مکمل ہوئی۔اس کے بعد دوستوں کا اصرار ہوا کہ اسے پی ڈی ایف کی شکل میں یکجا کر دو، میں نے سوچا تھا کہ اطمینان سے یہ کام کروں گا، لیکن انیسویں قسط کے بعد مخدوم زادۂ گرامی مولانا عبد البر صاحب قاسمی بن حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی پاسبان علم وادب میں یہ تحریر موصول ہوئی جس میں اس کی پی ڈی ایف کی خواہش ظاہر کی گئی ہے:

''آج ہی آپ کی روداد سفر کی آخری قسط پڑھی پڑھ کر دیگر قسطوں کو بھی پڑھنے کا اشتیاق پیدا ہوا اگر پی ڈی ایف بن چکی ہو تو ارسال فرما کر مشکور ہوں۔

ماشاءاللہ، اللہ تعالی نے آپ کو جن صلاحیتوں سے نوازا ہے اور اس کے نتیجہ میں جو محبوبیت عطا فرمائی ہے پھر اس کے نتیجہ میں محبین وطالبین کا سلسلہ پورے امارات میں جو پھیلا ہوا ہے پھر اس کے نتیجہ میں......پھر اس کے بعد........

اہل امارات نے محبتوں کے جو پھول نچھاور کئے، چاہتوں کے جو گل بوٹے تحفوں میں پیش کئے، واقعی قابل رشک ہے۔ امارات کی زیارت کا اشتیاق بڑھا دیا، مگر افسوس اپنے اندر نہ وہ صلاحیت واہلیت ہے، اور نہ آپ جیسی محبوبیت نہ آپ جیسے محبین۔ خدا تعالی آپ کے مراتب بلند کرے، محبین وطالبین کے سلسلے کو مزید دراز کرے اور آپ خوب سفر کریں ''سیروا فی الارض'' کی حکمتوں، منفعتوں سے خوب مالامال کرے تاکہ ہم جیسے نااہل لوگ بھی بالواسطہ مستفید ومستفیض ہوتے رہے ہیں .....آمین''

اس تحریر کو پڑھ کر میں نے فوری طور پر اس پر نظر ثانی کی اور پی ڈی ایف تیار کر دی جو پیش خدمت ہے، اللہ تعالیٰ اسے نافع بنائے۔

ضیاء الحق خیرآبادی

۱۹/شعبان ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۲/مارچ ۲۰۲۳ء

اتوار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

امارات کے پندرہ روزہ سفر کی روداد آپ حضرات کے سامنے ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ابھی تک کسی نے متحدہ عرب امارات کے بارے میں اس کی تاریخی، تمدنی اور ثقافتی حیثیت سے وہاں کی داستان اس انداز میں نہیں لکھی۔ جس نے لکھا یا بتایا وہ دولت وثروت کی بہتات اور مغربیت کی یلغار اور امارات کے حکمرانوں کی عیش پرستی، عربوں کی لذت کوشی اور بے محابا پرتعیش زندگی کے بارے میں لکھا یا بتایا۔ جب کہ میں نے اور حاجی بابو نے امارات کو تاریخ وثقافت کی نظر سے دیکھنے پر توجہ دی، ان کی دولت سے زیادہ ان کی سماجی اور عوامی زندگی کو جاننے کی کوشش کی، اسی لئے ہر اس جگہ جانے یا اس کے بارے میں معلومات جمع کرنے کی سعی کی جس کے مثبت نتائج سامنے لاسکیں۔

مجھ سے بھی بہت سے احباب نے لکھنے کو کہا لیکن میں جانتا تھا کہ حاجی بابو کو تذکرہ نگاری، اور سفرنامہ لکھنے کا جو سلیقہ من جانب اللہ عطا کیا گیا ہے وہی اس سفر کے تمام پہلوؤں کو اپنے رواں، سلیس اور پرکشش اسلوب میں پیش کرسکتے ہیں، اسی لئے وہیں رہتے ہوئے کہا کہ روزانہ جیسے بھی ہو لکھو ضرور، ورنہ گھر جاکر دوسرے کاموں کے ازدحام میں یہ سب معلومات اور مشاہدات پوری طرح محفوظ نہیں رہیں گے۔ ممکن ہے کہ آج کل میں، آج کل میں کہتے کہتے لکھنے سے رہ بھی جائے، کیونکہ ایک اہم سفرنامہ بہار کے سمستی پور، دربھنگہ، سیتامڑھی، مدھوبنی، کے یادگار سفر کی داستان منظر عام پر آئی ہی نہیں، کئی دوسرے دوسرے علمی کام سامنے تھے اسی میں مصروف ہوگئے۔

الحمدللہ سفر امارات کو امید سے زیادہ پذیرائی اور پسندیدگی حاصل ہوئی، یہ سب حاجی بابو کی اخاذ طبیعت، مشاہدہ کی طاقت، حافظہ کی پختگی، اس پرسحر نگار قلم اور جاذب قلب ونظر اسلوب کا کمال ہے۔ یہ سفرنامہ پڑھ کر ڈاکٹر ظفیر الدین سیوانی قاسمی (علیگ) اسسٹنٹ پروفیسر دلی یونیورسٹی تو امارات کی سیاحت کا من بنا چکے ہیں مجھے لگتا ہے کہ کہیں ایک گروپ ہی نہ بن جائے جانے والوں کا، اس کو کہتے ہیں تحریر کی طاقت۔

میری دعا ہے کہ حاجی بابو کا قلم یوں ہی رواں دواں رہے اور عالم کو فیضیاب کرتا رہے۔

ضیاءالدین قاسمی ندوی　　　　۱۰/مارچ ۲۰۲۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے

(سفرنامہ متحدہ عرب امارات)

میرے استاذ مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی کے قریبی و مخلص دوست مولانا وزیر احمد ندوی ایک طویل عرصہ سے امارات (شارجہ) میں رہتے ہیں، انتہائی ذہین وفطین اور ندوہ کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں۔ گزشتہ تین چار سال میں ان کی تین کتابیں میرے مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد سے شائع ہوئی ہیں، اس دوران مولانا کو قریب سے دیکھنے اور جاننے کا موقع ملا اور مولانا سے گہرا قلبی تعلق بھی استوار ہوگیا جس کی بنیادی وجہ ان کی بے لوث شخصیت اور خالص علمی وادبی ذوق ہے۔ ان کی خواہش تھی کہ ہم دونوں حسب فرصت امارات کا تفریحی سفر کریں اور کچھ ایام یاران مہر ووفا کے ساتھ گزاریں۔ مارچ ۲۰۲۰ء میں ہم لوگوں کا کچھ ارادہ بھی ہوا لیکن کرونا کی وجہ سے پوری دنیا کا جو حال ہوا وہ کسی پر مخفی نہیں۔ لیکن اس عرصہ میں امارات کے سفر کا خیال برابر ذہن میں رہا، ادھر جب حالات بالکل نارمل ہوگئے تو مولانا وزیر احمد اعظمی ندوی اور مولانا ضیاء الدین صاحب کے عزیز ترین شاگرد مولانا شفیق احمد قاسمی اعظمی، دونوں کے صلاح ومشورہ سے یہ پروگرام بنا کہ نصف رجب کے بعد جب ہمارے مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور میں اسباق بند ہوں تو امارات کا سفر کیا جائے۔

اس دوران ۹ر فروری ۲۰۲۳ء جمعرات کو ہمارے مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی، مبارکپور کے جلسۂ دستار بندی کی تاریخ طے ہوگئی، جس کی وجہ سے نظام یہ بنا کہ جلسہ کے بعد سفر کرنا مناسب ہوگا۔ چنانچہ میں نے اپنے برادر مکرم مولانا منظور الحق قاسمی کے ذریعہ جو ٹراولز کے کام سے منسلک ہیں۔ ۱۱ر فروری ۲۰۲۳ء سنیچر کا ٹکٹ ایر انڈیا ایکسپریس سے

بنارس سے شارجہ تک بک کرالیا۔ مولانا وزیر ندوی صاحب پڑھاتے تو دبئی میں ہیں لیکن ان کی رہائش شارجہ میں ہے، اس لئے پہلے شارجہ میں قیام کا فیصلہ ہوا، لیکن عین اسی وقت ان کو ایک خانگی ضرورت سے عمان جانا پڑ گیا جس کی وجہ سے پروگرام میں اتنی تبدیلی کرنی پڑی کہ مولانا شفیق صاحب شارجہ آجائیں اور ہم لوگ پہلے ابوظبی ان کے یہاں چلیں اور دو تین روز وہاں رہ کر احباب و متعلقین سے ملاقات کا شرف حاصل کر کے پھر شارجہ آجائیں۔

پروگرام کے مطابق ۱۱ر فروری سنیچر کو صبح سوا دس بجے ہم لوگ خیرآباد سے بابت پور ایرپورٹ کے لئے نکلے، مولانا عبدالعظیم قاسمی ناظم مدرسہ تحفیظ القرآن نے اپنے بھتیجے مولوی محمد ہاشم اور محمد رضوان کو گاڑی کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ وہ ہمیں بابت پور ایرپورٹ پہنچادیں۔ ہم لوگوں کی پہلی منزل اشاعت العلوم چیک پوسٹ تھی جہاں پاسبان علم و ادب کے نوجوان صاحب قلم عالم مفتی عبیداللہ شمیم قاسمی استاذ جامعہ اسلامیہ مظفر پور سے ملاقات کرنی تھی، مفتی صاحب کا قیام فی الحال دوبئی میں ہے لیکن وہ اپنی والدہ کی علالت کی وجہ سے ایک ہفتہ قبل انڈیا آئے تھے، ۷ر فروری منگل کو ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں۔ سوا گیارہ بجے کے قریب چیک پوسٹ پہنچ گئے، یہاں مفتی عبیداللہ شمیم، مفتی سفیان احمد قاسمی بیریڈیہہ، ناظم مدرسہ مولانا محمد عاصم اور صدر مدرس قاری عبدالرحمن صاحب منتظر تھے۔ مفتی عبیداللہ شمیم خالص علمی و تحقیقی آدمی ہیں، وہ اس وقت شیخ الحدیث مولانا سید فخرالدین احمد علیہ الرحمہ کی مایہ ناز کتاب ''القول الفصیح'' پر کام کا ارادہ رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں کچھ باتیں ہوئیں اور میں نے ان کو ''القول الفصیح'' حصہ دوم، تاریخ وتذکرہ علماء خیرآباد اور مولانا ڈاکٹر ابواللیث خیرآبادی کی خودنوشت سرگزشت حیات پیش کی، پندرہ منٹ یہاں رک کر چائے وائے سے فارغ ہو کر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ جامعہ فیض عام دیوگاؤں میں مولانا عبداللہ اعظمی (کٹولی) سے چند منٹ ملاقات رہی، یہیں میرے رفیق قدیم مولانا حافظ ابوسعد لال گنجی بھی پڑھاتے ہیں ایک عرصہ کے بعد ان کا دیدار ہوا۔ استاذی مولانا ضیاء الدین صاحب پہلی مرتبہ احاطہ فیض عام میں تشریف لائے تھے مولانا

حبیب الرحمن صاحب بانی جامعہ سے قدیمی محبانہ تعلق ہے، انھوں نے چند منٹ میں مدرسہ کا ایک سرسری جائزہ لیا، ناظم مدرسہ مولانا حبیب الرحمٰن پرواز قاسمی ہم لوگوں کے جانے سے کچھ دیر پہلے کہیں چلے گئے تھے اس لئے ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔

یہاں سے ایر پورٹ کی مسافت تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی ہے، بارہ بجے کے قریب یہاں سے نکلے اور ڈیڑھ بجے لال بہادر شاستری ایر پورٹ بابت پور پہنچ گئے، اور مولوی ہاشم و رضوان سے الوداعی مصافحہ کرکے ان کو رخصت کیا، اللہ تعالیٰ ناظم مدرسہ اور ان دونوں نوجوانوں کو بہترین اجر دے کہ ان کی وجہ سے بڑی سہولت سے ایر پورٹ آ گئے۔ گزشتہ چند سالوں میں ایر پورٹ کافی وسیع اور شاندار بنادیا گیا ہے، بلکہ موجودہ گورنمنٹ ایک مذہبی مقام ہونے کی وجہ سے شہر بنارس پر کافی توجہ دے رہی ہے اور ایر پورٹ، ریلوے اسٹیشن اور روڈ وغیرہ کی توسیع وتزئین کا کام مسلسل جاری ہے۔

گیٹ نمبر دو سے ہمیں ایر پورٹ میں داخل ہونا تھا، سیکورٹی گارڈ نے پاسپورٹ اور ٹکٹ چیک کرکے اندر جانے کی اجازت دی۔ مولانا ضیاء الدین صاحب کے صاحبزادے حارث وقار سلّمہٗ العین میں رہتے ہیں ان کا فون آیا کہ اسی فلائٹ سے میرے ایک دوست محمد فیصل آرہے ہیں ان کا سامان مقررہ وزن سے زیادہ ہے آپ لوگ اپنے سامان کے ساتھ اسے ایڈ جسٹ کرلیں، ایر پورٹ کے اندر محمد فیصل مل گئے اور ایر انڈیا اکسپریس کے کاؤنٹر پر جاکر لگیج کراکے بورڈنگ کارڈ حاصل کیا گیا، محمد فیصل کی وجہ سے بڑی آسانی ہوگئی، وہ ایک عرصہ سے امارات میں رہتے ہیں جس کی وجہ سے تمام امور سے واقف ہیں۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ سیکورٹی چیکنگ کا تھا، اس سے بحمد اللہ بڑی آسانی سے پار ہوگئے، یہاں سے ویٹنگ ہال میں آ گئے، فلائٹ کا وقت چار بج کر بیس منٹ پر تھا اور اس وقت ڈھائی بج رہے تھے۔ ابھی ظہر کی نماز نہیں پڑھی تھی اور کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آرہی تھی جہاں نماز پڑھ سکیں، دہلی اور دوسرے بڑے ایر پورٹ پر ''پریئر روم'' [عبادت گاہ] میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا، لیکن بابت پور ایر پورٹ کی تمامتر وسعت کے باوجود یہاں اس طرح کی کوئی سہولت

نظر نہیں آئی، تو میں نے متعدد ملازمین سے کہا کہ مجھے نماز پڑھنی ہے کہاں پڑھوں؟ تو انھوں نے کہا کہ یہاں اس کے لئے کوئی ''پرارتھنا کچھ'' یعنی عبادت کے لئے کوئی کمرہ نہیں ہے۔ آپ ایک طرف کہیں نماز پڑھ لیں، میں نے کہا کہ آپ کو یوپی کے حالات معلوم ہیں، ابھی آپ ہی لوگوں میں سے کوئی ویڈیو بنا کر وائرل کردے گا اور اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ سب کو معلوم ہے، اس نے کہا کہ میں یہیں ہوں آپ پڑھ لیں کچھ نہیں ہوگا۔ اس گفتگو کے بعد ظہر کے اخیر وقت میں مولانا اور میں نے پہلے ظہر کی نماز ادا کی اور کچھ دیر بعد مثل اول پر عصر کی نماز بھی ادا کر لی، دوران سفر شدید ضرورت کے وقت میں ایسا کر لیتا ہوں جس کی گنجائش ہے۔ اسی وقت مولانا شاہد رضوان مرحوم شاہ گنج کے صاحبزادے مولانا فیصل نظر آ گئے وہ بھی اسی فلائٹ سے سفر کرر ہے تھے، ان کے کئی بھائی شیخوپور میں مجھ سے پڑھے ہوئے ہیں، انھوں نے بھی نماز پڑھی اور ساڑھے تین بجے کے بعد ہم لوگ جہاز میں آ کر بیٹھ گئے۔

یہ ایر انڈیا کا پرانے قسم کا ایک معمولی جہاز تھا جس میں دوسو کے قریب نشستیں تھیں، سہولیات کا حال یہ تھا کہ اب ٹرینوں میں بھی موبائل ولیپ ٹاپ کی چارجنگ کا بہترین نظم ہے، یہ جہاز اس سے بھی عاری تھا۔ کچھ دیر حفاظتی ہدایات کے بعد اپنے مقررہ وقت سے دس منٹ پہلے فلائٹ نے اڑان بھری۔ یہ ایک گونگی فلائٹ تھی، چار گھنٹے کی اس فلائٹ میں مسلسل سکوت طاری رہا اور ہمیں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ہم دورانِ پرواز کہاں کہاں سے گزرر ہے ہیں، حالانکہ جن ایرلائنز کی سروس عمدہ ہوتی ہے اس میں ہر سیٹ کے سامنے اسکرین ہوتی ہے جس پر جہاز کی رفتار، دوران سفر آنے والے مقامات کی تعیین اور کتنا سفر ہو چکا اور کتنا باقی ہے یہ ساری تفصیلات آتی رہتی ہیں۔ پرواز کے کچھ دیر بعد نہایت معمولی قسم کا ایک سموسہ اور ایک چھوٹا سا بریڈ پیش کیا گیا جس کی مقدار اتنی ہی تھی کہ بقول شخصے اگر ٹھیک سے اسے دیکھ لیا جائے تو ختم ہو جائے۔ خیر یہ جتنا بھی تھا ایرلائنز کی طرف سے تھا اور یہ شاید اس لئے دیا گیا تھا کہ کھانے کے بعد چائے کی طلب تو لازماً ہوگی چنانچہ اکثر مسافروں نے اس کے بعد چائے کا سوال کیا تو بتایا گیا کہ اب جو کچھ ملے گا وہ فری نہیں قیمت ادا

کرکے ملے گا اور چائے کی قیمت پورے ایک سو روپئے بتائی گئی، ہم لوگوں نے سو روپئے ادا کرکے ایک چائے اور ایک فاضل کپ مانگ کر چائے پی اور خیال کرلیا کہ سو روپئے میں چائے سموسہ خریدا گیا ہے۔ ملازمین نے بتایا کہ ٹاٹا نے جب سے ایرانڈیا کے مالکانہ حقوق حاصل کئے ہیں تب سے کھانے پینے کی فری سروسز کو ختم کردیا ہے۔

جہاز کا سفر میرے لئے بڑی بوریت کا ہوتا ہے، اس لئے میں پڑھنے کے لئے کچھ نہ کچھ ساتھ رکھتا ہوں، لیپ ٹاپ بھی ساتھ میں رہتا ہے لیکن سیٹ کی تنگی کی وجہ سے اس سے استفادہ دشوار ہی ہوتا ہے خصوصاً جب اغل بغل کوئی زیادہ ''تندرست'' قسم کا آدمی بیٹھ جائے۔ کچھ دیر تو استاذ محترم مولانا ضیاء الدین صاحب سے بات کرتا رہا اس کے بعد پاسبان علم وادب کے اہم رکن اور صاحب تصنیف عالم مولانا فیضان باقوی حفظہ اللہ کا سفرنامہ عمرہ پڑھنا شروع کیا، مولانا مسلسل اس کی قسطیں مجھے ارسال کررہے تھے اور میں اب تک اسے پڑھ نہ سکا تھا، اس وقت تک چوبیس قسطیں آچکی تھیں، میں نے بالاستیعاب سب کو پڑھ ڈالا، ماشاء اللہ ایک مفید اور معلوماتی سفرنامہ ہے، لیکن یہ سفرنامہ سے زیادہ کتاب العمرہ والمناسک ہوگیا ہے، جس میں مشاہدات وتاثرات سے زیادہ دعائیں اور احکام آگئے ہیں، مولانا کو اسے ازسرنو مرتب کرنا چاہئے اور مشاہدات کو ایک جگہ اور احکام ودعا کو ایک جگہ کردینا چاہئے، جس سے قارئین کی دلچسپی اور سفرنامہ کی افادیت مزید بڑھ جائے گی۔

فلائٹ کے شارجہ پہنچنے کا وقت سات بج کر دس منٹ تھا، یہ وقت سے بیس منٹ پہلے ہی شارجہ ایرپورٹ پر اتر گئی۔ آج سے پندرہ سال پہلے ۲۰۰۸ء میں حج میں جاتے ہوئے جہاز ایک ڈیڑھ گھنٹے کے لئے یہاں رکا تھا، اس وقت کے لحاظ سے اس مرتبہ ایرپورٹ کافی کشادہ نظر آیا۔ جہاز سے نکلتے ہی محسوس ہوا کہ کسی اسلامی ملک میں آگئے ہیں، سلام ودعا کے کلمات، عربی عبارتیں اور آیات قرآنیہ جابجا نظر آنے لگیں۔ ہم لوگ ایمیگریشن کی لائن میں کھڑے کردئے گئے، اس ملک نے جدید ٹکنالوجی سے بھرپور فائدہ

اٹھا کر ہر جگہ اس سے اپنے سسٹم میں سہولیات پیدا کی ہیں، ایمیگریشن ہال میں جانے سے پہلے کئی ایک شیشے کے گیٹ نظر آئے، مولوی فیصل شاہ گنجی نے بتایا کہ یہ الیکٹرانک گیٹ [E.GATE] ہیں، اس پر پاسپورٹ لگانے سے کھل جاتے ہیں اور اس کی تمام تفصیلات اسکین ہوجاتی ہیں اور اسی سے ایمیگریشن ہوجاتا ہے، لیکن محسوس ہوا کہ یہ ان لوگوں کے لئے نہیں ہے جو پہلی مرتبہ امارات آرہے ہوں یا ویزٹ ویزے پر ہوں، اس لئے ہم میں سے کسی کے پاسپورٹ پر دروازہ نہ کھلا، جبکہ دوسرے قدیم لوگوں میں سے اکثر کے لئے دروازہ کھل گیا۔ پھر ہم لوگ ایک کاؤنٹر پر گئے اور ایک منٹ میں اس نے ضروری کارروائی کے بعد ہمیں فارغ کردیا، یہاں سے جب لگیج والے بیلٹ کے پاس آئے تو دو تین منٹ میں سامان بھی آگیا جسے لے کر باہر آگئے اور پہلی مرتبہ سرزمین امارات پر قدم رکھا۔

متحدہ عرب امارات:

یہ سات ریاستوں کے وفاق پر مشتمل ایک ملک ہے، جن کے نام یہ ہے: ابوظبی، دوبئی، شارجہ، راس الخیمہ، ام القوین، عجمان اور فجیرہ۔ یہاں کا دارالحکومت ابوظبی ہے، تمام اہم حکومتی شعبے یہیں ہیں، یہ رقبہ کے اعتبار امارات کی سب سے بڑی ریاست ہے۔ اپنے داخلی معاملات میں یہ ریاستیں خودمختار ہیں۔ ہمارے یہاں تو کوئی شخص ان ریاستوں میں جہاں کہیں بھی ہو یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب دبئی میں رہتے ہیں یا ملازمت کرتے ہیں۔ یہ وفاق ۲/دسمبر ۱۹۷۱ء کو وجود میں آیا، اس وقت چھ ریاستیں تھیں، کچھ ہی عرصہ کے بعد ۱۹۷۲ء میں راس الخیمہ اس اتحاد میں شامل ہوگیا۔ یہ ملک بھی ایک عرصہ تک برطانوی استعمار کے قبضہ میں رہا، ۱۹۶۰ء کی دہائی میں یہاں تیل کی دریافت ہوئی، اس وقت یہ تیل اور قدرتی گیس سے مالامال ملکوں میں سے ایک ہے جن کی وجہ سے یہ خلیج کی امیر ترین ریاستوں میں سے شمار ہوتا ہے۔ اس ملک کے صدر اور فوج کے سپریم کمانڈر محمد بن زائد آل نہیان ہیں جو ریاست ابوظبی کے امیر بھی ہیں۔

ایر پورٹ سے نکلتے ہی میرے عزیز شاگرد مولوی زہیر ازہر مئوی سلمہ اپنے ننھے منے دو بچوں کے ساتھ سامنے موجود تھے، یہ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی علیہ الرحمہ کے پر پوتے ہیں، ان کے والد مولانا ازہر صاحب قاسمی ایک عرصہ تک شارجہ میں رہے اور اب ریٹائر ہو کر وطن واپس جا چکے ہیں۔ ان کے دادا مولانا رشید احمد الاعظمی مدظلہ سے میرے گہرے مراسم ہیں، ان کی شفقتیں مجھ پر بہت ہیں، اس وقت اپنی عمر کے چھیانوے سال میں ہیں، رب کریم صحت وعافیت اور سلامتی کے ساتھ ان کا سایۂ شفقت دراز فرمائے، مشہور محدث علامہ زاہد الکوثری اور علامہ صدیق الغماری سے ان کو اجازت حدیث حاصل ہے، میں نے بھی حضرت سے اوائل سنبل پڑھ کر اجازت حاصل کی ہے۔ مولوی زہیر سلمہ کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ میں نے ان کو اطلاع بھی نہیں کی تھی پھر کیسے وہ یہاں موجود ہیں، میں نے پوچھا کہ میری آمد کا علم کیسے ہوا؟ تو بتایا کہ میں نے موبائل پر آپ کا اسٹیٹس دیکھا تو فلائٹ کا وقت معلوم کر کے حاضر ہو گیا، اس سعادت مندی پر ان کے لئے دل سے دعائیں نکلیں اور موبائل کے اسٹیٹس کی افادیت کا اندازہ ہوا۔

وہ بہت مناسب وقت پر ایر پورٹ پہونچے تھے ہمارے پاس انڈین سم تھی جو اس ملک میں بے کار تھی، میں نے مولوی زہیر کے موبائل سے مولانا شفیق صاحب کو کال کی، انھوں نے بتایا کہ میرا بیٹا عفان ایر پورٹ پہنچ رہا ہے، اتنی دیر میں زہیر سلمہ نے چائے مع لوازمات کے پیش کر دی، چائے ختم ہوتے ہوتے عفان سلمہ حاضر ہو گئے، مولوی زہیر سلمہ اگلی ملاقات کا وعدہ کر کے اپنی قیام گاہ عجمان روانہ ہو گئے، ان کی رہائش عجمان میں ہے اور دبئی کے ایک اسکول میں پڑھاتے ہیں۔ عفان سلمہ کے ساتھ ایر پورٹ سے مولانا شفیق صاحب کے برادر نسبتی نسیم بھائی کی رہائش گاہ پر آ گئے، وہیں شاندار عشائیہ تھا اور اعظم گڈھ کے بہت سارے افراد جمع ہو گئے تھے، مولانا شفیق صاحب کے بڑے بھائی صلاح الدین صاحب سے دیر تک مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ مولانا شفیق صاحب کٹولی اعظم گڑھ کے رہنے والے ایک ذہین وفطین اور متحرک وفعال عالم دین ہیں، انھوں نے مدرسہ

منبع العلوم خیرآباد میں فارسی اول سے عربی پنجم تک تعلیم حاصل کی، اپنی خداداد ذہانت کی وجہ سے ایک سال میں دو، دو درجات کی نصابی کتابوں کو مکمل کرلیا، یہاں مولانا ضیاء الدین صاحب سے بہت قریب تھے اور بطور خاص درسیات کے علاوہ دیگر خارجی کتابوں میں کسب فیض کیا، اردو وعربی تحریر وانشاء میں کمال حاصل کیا، طالب علمی کے زمانہ میں ہی اچھی رواں عربی لکھنے لگے تھے۔ اس وقت بنارس سے نکلنے والے اردو روزنامہ آواز ملک میں بھی ان کے مضامیں شائع ہونے لگے تھے، چنانچہ وہ آج بھی برملا کہتے ہیں کہ میری جو کچھ بھی عربی واردو لیاقت ہے مولانا موصوف کی دین ہے۔ خیرآباد سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں سے ۱۹۹۳ء میں فضیلت کی تکمیل کی۔ دارالعلوم کی طالب علمانہ زندگی میں ماہنامہ دارالعلوم میں ان کے کئی مضامین بھی شائع ہوئے، وہ طلبۂ اعظم گڑھ کی انجمن ''نادیۃ الاتحاد'' کے روح رواں اور اس کے دیواری رسالہ ''پاسبان'' کے مدیر بھی تھے۔ فراغت کے چند سال بعد امارات آگئے، دو سال تک شارجہ میں رہے پھر ابوظبی منتقل ہوگئے اور یہاں اوقاف کی طرف سے ایک مسجد میں امام ہیں اور اوقاف کی تقریباً پچیس مساجد کے مشرف ونگراں ہیں۔ یہاں انھوں نے ''الفصاحۃ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جو لوگوں کو بزنس سے لے کر حکومتی کاموں کے سلسلہ میں مختلف قسم کی سروسز مہیا کرتا ہے، اس کی ہیڈ آفس مصفح ابوظبی میں ہے جہاں مولانا کا قیام ہے، العین اور شارجہ میں اس کی برانچیں ہیں۔

نسیم بھائی شارجہ میں ''الفصاحۃ'' کی برانچ کے ذمہ دار ہیں، ہم لوگ ان کی رہائش گاہ پر پہنچے، یہاں مولانا شفیق صاحب نے اپنے تمام عملہ کے ساتھ ہم لوگوں کا پرجوش خیر مقدم کیا، اس میں مولانا کے داماد مولوی ابوشحمہ بھی تھے جو ''الفصاحۃ'' کی العین آفس کے ذمہ دار ہیں، یہ میرے بہت عزیز شاگرد ہیں، انھوں نے شیخوپور میں مجھ سے پڑھا ہے، مطالعہ اور تحریر وانشاء کا خاص ذوق تھا، معلوم نہیں امارات منتقل ہونے کے بعد قلم وقرطاس سے رشتے کا کیا حال ہے۔ یہیں ایک اور شاگرد مولوی نورالعین (مسجد یا، نظام آباد) سے بھی ملاقات ہوئی، یہ بھی العین آفس میں ہیں۔ ہلکی پھلکی ضیافت کے بعد یہاں مغرب

اورعشاء کی نماز ادا کی گئی۔نسیم بھائی نے آج الفصاحۃ کے پورے عملہ اورمولانا شفیق صاحب کی فیملی کو مدعو کررکھا تھا،نماز کے بعد دسترخوان لگا جواس قدر متنوع تھا کہ درجن بھر سے زائد ڈشیں تھیں،سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کھائیں کیا چھوڑیں،پیٹ تو بھر گیالیکن حسرت باقی رہ گئی۔کھانے کے بعد ہمیں ابوظبی جانا تھا،ساڑھے دس بجے کے بعد ہم لوگ شارجہ سے نکلے اورایک بجے کے قریب ابوظبی پہنچے،دن بھر کے مسلسل سفر نے نڈھال کردیا تھا،اس لئے جاتے ہی بستر پر پڑ گئے۔

مولانا شفیق احمد صاحب کی مسجد کا نام مسجد''آمنۃ سعید الکلبانی''ہے،یہ مسجد انھیں خاتون کے خرچ پر تعمیر کرکے وقف کی گئی ہے،نہایت وسیع اورکشادہ دومنزلہ مسجد ہے اوپر نصف حصہ''مصلی النساء''کے لئے مختص ہے اورنصف''مصلی الرجال''کے لئے۔عرب ممالک میں اکثر مساجد سے متصل ہی ائمہ حضرات کی رہائش گاہ ہوتی ہے،مولانا کی رہائش بھی اسی طرح ہے جس میں وہ اپنی فیملی کے ساتھ مقیم ہیں۔انھوں نے ایک وسیع،کشادہ اور آرام دہ کمرے میں ہم دونوں کے قیام کا نظم کیا۔رات ایک بجے کے قریب ہم لوگ شارجہ سے ابوظبی مولانا کی اقامت گاہ پہنچے تھے،سوتے سوتے مزید نصف گھنٹہ لگا،تمام آرام وآسائش اورتکان کے باوجود شاید نئی جگہ ہونے کی وجہ سے ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔یہاں ہر جگہ اول وقت میں فجر کی نماز ہوتی ہے اورصبح صادق ہوتے ہی اذان ہوتی ہے اس کے پچیس منٹ کے بعد جماعت ہوتی ہے،اس دن یہاں کے وقت کے مطابق پانچ بج کر چالیس منٹ پر صبح صادق تھی،ٹھیک وقت پر اذان شروع ہوئی،امارات میں اذان کا عجیب وغریب سسٹم ہے جو نہ کبھی کہیں پڑھا،نہ دیکھا،نہ سنا۔یہاں کی سب سے عظیم الشان مرکزی مسجد ''مسجد شیخ زائد''[اس کا تفصیلی تذکرہ آگے آرہا ہے] سے اذان ہوتی ہے اورجدید آلات کے ذریعہ یہی آواز ہر مسجد تک پہنچ جاتی ہے،صرف مسجد کے ذمہ دار کو اپنی اپنی مسجد کا مائک آن کرنا ہوتا ہے اور ہر ہر مسجد میں وہی اذان براہ راست نشر ہوجاتی ہے،اس لئے کسی مسجد میں اذان دینے کے لئے موذن کی ضرورت نہیں ہے،جہاں جہاں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا

امام صاحب ہی خود اقامت کہہ لیتے ہیں۔

اذان سے چند منٹ پہلے اٹھا، گرم پانی موجود تھا اس لئے وضو کے بجائے غسل کیا، چھ بجے جماعت کا وقت تھا۔ یہاں اوقاف کی طرف سے ائمہ حضرات کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ جبہ وعقال کے ساتھ عبا جسے ''بشت'' کہا جاتا ہے پہن کر نماز پڑھائیں تاکہ وہ دوسرے مصلیوں سے نمایاں اور ممتاز رہیں اور ان کا ایک وقار قائم رہے۔ مولانا شفیق صاحب کی قرأت پہلی بار سننے کا اتفاق ہوا، نہایت سادہ لیکن پرکشش عربی لہجہ میں ''وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض هوناً،، سے اخیر سورہ تک قرأت کی۔ تقریباً ہزار سے پندرہ سو نمازیوں کی گنجائش رکھنے والی یہ مسجد فجر میں نصف کے قریب بھری ہوئی تھی، بعد کے دنوں میں دیکھا کہ فجر اور ظہر میں مصلین کم ہوتے ہیں، مغرب اور عشاء میں پوری مسجد بھر جاتی ہے، معلوم ہوا کہ یہ کمی وزیادتی ملازمین کے اعتبار سے ہوتی ہے کہ مغرب وعشاء میں سبھی لوگ ملازمت سے واپس آجاتے ہیں اس لئے مسجد بھر جاتی ہے۔ یہاں نماز کے بعد التزاما اجتماعی دعا نہ کرنے کا معمول ہے جیسے ہمارے یہاں التزاماً دعا کا معمول ہوتا ہے، بعض لوگ تنہا اپنے اپنے طور پر دعاء کر لیتے ہیں۔ میں نے ہندوستان میں اپنے شعور کے چالیس سال بلا کسی استثناء کے کبھی ایسا نہیں دیکھا ہے کہ کسی امام نے دعا نہ کی ہو اور سعودی عرب اور اب یہاں کے سفر میں کبھی کسی امام کو نماز کے بعد دعا کرتے نہیں دیکھا۔

نماز اول وقت میں پڑھی گئی تھی، اس لئے ابھی اندھیرا تھا، کچھ دیر تفریح کر کے معمولات کو پورا کیا جبکہ مولانا ضیاء الدین صاحب سونے چلے گئے، گھر میں آنے کے بعد مولانا شفیق صاحب نے کہا کہ بچے ابھی شارجہ سے آئے نہیں ہیں اس لئے خود ہی چائے کا نظم کرتے ہیں، میں بھی ان کے ساتھ کچن میں آ گیا، دیوبند کی دوسالہ طالب علمی اور شیخوپور کی پندرہ سالہ مدرسی کی برکت سے چائے بنانا اور ہلکی پھلکی ضیافت کی چیزیں میں نے سیکھ لی تھیں، اس لئے کہ شیخوپور میں ہوٹل وغیرہ نام کی کوئی چیز مدرسی کے ابتدائی زمانے میں موجود نہ تھی، اسی لئے میں نے وہاں گیس سلنڈر وغیرہ رکھ لیا تھا، وہ تربیت یہاں کام آئی اور فٹافٹ

ایک طرف چائے رکھی اور دوسری طرف تین چار انڈے فرائی کئے اور دس پندرہ منٹ میں یہ ہلکا پھلکا ناشتہ تیار تھا، ہم لوگ چائے پی کر لیٹ گئے۔ دس بجے کے بعد روٹی والا ناشتہ کرکے مولانا کے ساتھ باہر نکلے اور ان کے ''الفصاحۃ'' آفس میں پہنچے، کچھ دیر رہ کر گھر واپس آ گئے، اس علاقہ کا نام ''مدینہ محمد بن زاید'' ہے، یہ شہر ابوظبی سے تیس کلومیٹر دور ایک پرسکون اور صاف ستھرا علاقہ ہے۔ یہاں کا نظم وضبط بڑا مثالی ہے، ہر شخص اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو خوب جانتا پہچانتا ہے۔حکومت نے کچھ ایسا سسٹم بنا رکھا ہے کہ مجال نہیں کہ کوئی شخص حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی کا خیال بھی دل میں لا سکے، کہیں کوڑا کرکٹ یا سگریٹ وغیرہ پھینک دینا، غلط جگہ پر گاڑی پارک کر دینا، یا ٹریفک رول کی خلاف ورزی کرنا، بے خیالی میں کسی سے ایسا ہو جائے تو ہو جائے لیکن برصغیر کی طرح جان بوجھ کر ایسا کرنے کا تصور بھی کوئی نہیں کر سکتا، ایسا کرنے پر فوراً جرمانہ عائد ہوتا ہے، اس میں کسی وطنی یا خارجی کی قید نہیں ہوتی کیونکہ خلاف ورزی کو کیمرہ قید کر لیتا ہے اور جرمانہ کا میسیج موبائل میں آ جاتا ہے، اس کے بعد کوئی سفارش وغیرہ کارگر نہیں ہوتی پہلے جرمانہ ادا کیجئے پھر بات کیجئے کیونکہ یہاں کا سسٹم کمپیوٹرائز ہے بغیر جرمانہ کلیئر کئے آپ کے بہت سارے کاموں میں رکاوٹ آ جائے گی۔

بہرکیف ظہر کے وقت آفس سے گھر واپس آئے، نماز کے بعد کھانا کھایا گیا، مولانا شفیق صاحب نے کہا کہ عصر پڑھ کر یہاں کی سب سے بڑی اور عظیم الشان مسجد ''مسجد شیخ زاید'' دیکھنے چلیں گے اور مغرب کی نماز وہیں پڑھیں گے، چنانچہ عصر پڑھا کر مولانا اپنی گاڑی سے لے کر ہمیں مسجد شیخ زاید روانہ ہوئے۔

مسجد شیخ زاید:

عصر کی نماز پڑھ کر مولانا شفیق صاحب استاذی مولانا ضیاء الدین صاحب اور مجھے لے کر ''مسجد شیخ زاید'' دیکھنے کے لئے نکلے۔ یہ ابوظبی سٹی آئی لینڈ کے داخلی راستے پر واقع ہے اور جزیرے کو مرکزی علاقے سے ملانے والے تینوں پل مقطع پُل، مصفح پُل اور شیخ

زاید پُل سے صاف دکھائی دیتی ہے، بیس پچیس منٹ کی مسافت طے کر کے ہم لوگ مسجد کے احاطہ میں پہنچ گئے۔ یہ عرب امارات کی سب سے عظیم الشان اور خوبصورت مسجد ہے اور دنیا کی بڑی مساجد میں یہ چھٹے نمبر پر ہے۔ یہ قدیم وجدید فن تعمیر کا حسین امتزاج اور ایک خوبصورت شاہکار ہے۔ یہ مسجد متحدہ عرب امارات کے بانی ومعمار اور صدر اول شیخ زاید بن سلطان آل نہیان (پ: ١٩١٨ء، و: ٢٠٠٤ء) کے خوابوں کی تعبیر ہے، وہ چاہتے تھے کہ ایک ایسی مسجد تعمیر کریں جو اسلامی طرز تعمیر کا شاہکار اور ایک ایسا اسلامی مرکز ہو جہاں سے اسلام کا صحیح تعارف لوگوں کے پاس پہنچے۔ اس کا تعمیراتی منصوبہ سن اسّی کی دہائی میں شروع ہوا، ١٩٨٦ء اور ١٩٨٧ء میں اس کے ڈیزائن کے لئے عالمی مقابلہ ہوا، جس کے بعد اس کا نقشہ پاس ہوا۔ تعمیر کا آغاز ۵ر نومبر ١٩٩٦ء کو ہوا، اور ١٩ر دسمبر ٢٠٠٧ء، ١٤٢٨ھ میں عید الاضحیٰ کی نماز سے اس کا افتتاح ہوا، اس وقت ابھی مسجد تکمیل کے مرحلہ میں تھی، اس کی تکمیل مارچ ٢٠٠٨ء میں ہوئی۔ اس کی تعمیر میں تقریباً دوسوملین درہم خرچ ہوئے۔ وکی پیڈیا کی معلومات کے مطابق:

''اس مسجد کی تعمیر میں 3000 کاریگروں اور 38 سے زائد تعمیراتی کمپنیوں نے حصہ لیا، جن کا تعلق متحدہ عرب امارات، اٹلی، جرمنی، مراکش، ہندوستان، ترکی، چین، برطانیہ، نیوزی لینڈ اور یونان سے تھا۔ یہ 420 میٹر طویل اور 290 میٹر چوڑی ہے۔ اس کا کُل رقبہ 30 ایکڑ ہے جس میں بیرونی حصہ اور پارکنگ وغیرہ شامل نہیں ہیں۔ مسجد میں چار مینار ہیں جو اس کے چاروں کونوں پر واقع ہیں۔ ہر مینار کی لمبائی ایک سو پندرہ میٹر (380) فٹ ہے، اور مختلف سائز کے 82 گنبد ہیں جن میں سے سب سے بڑا گنبد مرکزی ہال کے وسط میں واقع ہے۔ ہر گنبد کے بیرونی جانب سفید سنگ مرمر لگایا گیا ہے جبکہ اندرونی جانب روایتی مراکشی آرٹ ورک کیا گیا ہے۔ مسجد میں موجود روشنیوں کا منفرد نظام چاندنی کے مختلف ادوار کی عکاسی کرتا ہے اور اپنے نور سے دیکھنے والوں کو خیرہ کرتا ہے۔ ممتاز شامی ماہر تعمیرات یوسف عبدالکی نے جامع مسجد شیخ زاید کا ڈیزائن تیار کیا اور ایرانی فنکار ڈاکٹر علی

خالقی کا ڈیزائن کردہ 5700 مربع میٹر پر مشتمل قالین مسجد کے مرکزی ہال میں بچھایا گیا ہے، جس کا وزن 47 ٹن ہے، یہ دنیا کا سب سے بڑا قالین ہے۔ مسجد میں ایک جرمن کمپنی کے تیار کردہ بے حد خوبصورت چاندی کے 7 فانوس بھی نصب کئے گئے ہیں جن میں سے سب سے بڑا تقریباً 1200 ٹن وزنی فانوس مرکزی ہال میں لگایا گیا ہے اور اس کا شمار دنیا کے چند بڑے ترین فانوسوں میں ہوتا ہے۔ مسجد میں بیک وقت 50000 افراد نماز ادا کر سکتے ہیں، اس کے مرکزی ہال میں 7 ہزار جبکہ 2 چھوٹے ہالز میں سے ہر ایک میں ڈیڑھ ہزار افراد نماز ادا کر سکتے ہیں، عرب کی عمومی روایت کے مطابق اس میں خواتین کیلئے علیٰحدہ نظم ہے، جس میں بیک وقت 1500 خواتین نماز ادا کرسکتی ہیں۔''

مسجد میں داخل ہونے کے بعد اس کی وسعت وکشادگی ہمارے لئے حیران کن تھی، گاڑی ایک جگہ پارک کی گئی، یہ مسجد ایک سیاحتی مرکز بھی ہے، اس میں مسلم وغیر مسلم ہر طرح کے سیاح نظر آئے، حکومت نے اسے ہر طرح کے سیاحوں کیلئے کھلی رکھنے کا فیصلہ کیا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کے اندر اسلام کے بارے میں مطالعہ وتحقیق اور معلومات کا ذوق پیدا ہو اور عرب تہذیب وکلچر کو فروغ حاصل ہو۔ مسجد کے احاطہ میں جگہ جگہ شیشے کے بڑے بڑے گنبد بنے ہوئے تھے، میں نے مولانا شفیق صاحب سے پوچھا کہ یہ کیسے گنبد ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ نیچے سپر مارکیٹ اور وضوخانے وغیرہ ہیں یہ اس کے داخلی دروازے ہیں۔ ہم ایسے ہی ایک گنبد میں داخل ہوئے، وہاں برقی زینے لگے ہوئے تھے جس سے ہم نیچے پہنچے تو دیکھا کہ یہاں تو ایک الگ ہی دنیا آباد ہے، یہ حصہ ایک شاندار قسم کی مارکیٹ پر مشتمل تھا، مولانا شفیق صاحب ہمیں لے کر ایک جگہ پہنچے جہاں چھوٹی چھوٹی کمپیوٹر اسکرینیں نصب تھیں، جس میں ہر سیاح کو اپنی آمد کا اندراج کرنا ہوتا ہے، اندراج کی تکمیل کے بعد موبائل میں اس کا فوٹو لیا جاتا ہے، اس وقت تو مجھے یہ غیر ضروری کام لگا، لیکن واپسی میں سمجھ میں آیا کہ ایک بہت ضروری چیز ہے، باہر نکلتے وقت الیکٹرانک گیٹ پر اس کو لگانا ہوتا ہے تب دروازہ کھلتا ہے، اس سسٹم سے انتظامیہ کو معلوم ہوجاتا ہے روزانہ کتنے لوگوں نے مسجد کا

وزٹ کیا ہے، اسی لئے میں نے ابتداء میں لکھا تھا کہ یہاں کی حکومت نے جدید ٹکنالوجی کو اپنے نظام میں شامل کرکے اس سے بڑی سہولیات پیدا کی ہیں اور اس سے خوب فوائد بھی حاصل کئے ہیں۔

اسی نچلے حصہ میں وضو خانہ ہے، مارکیٹ سے نکل کر وہاں آئے کہ مغرب کی نماز کے لئے وضو کرلیں، وضو خانہ بھی بڑا خوبصورت اور جدید سہولیات سے آراستہ ہے، بعض جگہوں پر فوارے لگے ہوئے تھے جو بڑا دلکش منظر پیش کر رہے تھے، جب اوپر آئے تو غروب آفتاب میں چند منٹ باقی تھے، اس کی سنہری شعاعیں مسجد پر پڑ رہی تھیں۔ یہ مسجد عرب، مغل، ترک اور مورش وغیرہ فن تعمیر کی عکاس ہے، اسی لئے اس کے مختلف حصے الگ الگ عمارتوں کے مشابہ ہیں، چنانچہ اس کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہوا دیکھا کہ ''یہ لاہور ودہلی کی شاہی مسجد اور کاسابلاکا کی حسن دوئم مسجد سے کافی مشابہ ہے۔'' مسجد میں نہ جانے کتنے قسم کے خوبصورت پتھر لگائے گئے ہیں، اندھیرا ہونے کے بعد جب لائٹوں کی روشنی صحن میں پڑ رہی تھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے پورے صحن میں پانی لہریں مار رہا ہے، اسے دیکھ کر قرآن کی یہ آیت یاد آگئی: اِنَّهُ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيْرَ، بس یہاں شیشے کے بجائے شیشے کی طرح شفاف وچمک دار پتھر تھے۔ اذان کے بعد ہم لوگ مسجد کے مرکزی ہال میں داخل ہوئے اور مغرب کی نماز ادا کی۔ مسجد میں جرمنی سے امپورٹ کئے گئے سات بڑے اور خوبصورت فانوس بھی لگائے گئے ہیں، جن میں سونے اور تانبے کا استعمال کیا گیا ہے، اس میں جو سب سے بڑا فانوس ہے اس کی چوڑائی ۳۳ رفٹ اور اونچائی ۴۹ رفٹ ہے۔

نماز کے بعد مسجد کے اس حصے میں گئے جہاں شیخ زائد کی قبر ہے، یہ مسجد کے شمالی حصہ میں ہے، مسجد کی تعمیر کے دوران ۳ رنومبر ۲۰۰۴ء میں شیخ زاید کا انتقال ہوا، اور ان کو یہیں دفن کیا گیا۔ قبر ایک شاندار قسم کے احاطہ میں واقع ہے جس میں داخلہ کی اجازت نہیں ہے نہ اس کا فوٹو لینے کی، ہم لوگوں نے احاطہ کی جالی کے پاس کھڑے ہوکر اس مردِ غیور کے لئے ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کی جس نے عرب کے بدوؤں میں اتحاد واتفاق پیدا

کر کے متحدہ عرب امارات کے نام سے یہ عظیم وفاق قائم کیا جو آج دنیا میں اپنی دولت وثروت اور عرب روایات کی پاسداری میں مشہور ہے۔معلوم ہوا کہ چوبیس گھنٹے یہاں حفاظ کی ڈیوٹی رہتی ہے کہ وہ مسلسل قرآن کی تلاوت کرتے رہیں، حفاظ کی ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے اور چوبیس گھنٹے تلاوت کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اس وقت ایک صاحب تلاوت کررہے تھے۔اس بات پر مجھے ترکی کا مشہور میوزیم توپ کاپے سرائے یاد آ گیا، جس کے اس کمرے میں جہاں نبی اکرم ﷺ کے تبرکات رکھے ہیں، سلطان سلیم کے دور سے لے کر خلافت کے خاتمے تک چارسوسال سے زائد عرصہ تک بلا کسی انقطاع کے شب وروز قرآن کی تلاوت ہوئی ہے۔اس کی تفصیل مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کے سفرنامے جہانِ دیدہ اور ڈاکٹر عزیر کی کتاب تاریخ دولت عثمانیہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔کئی گھنٹے کی سیاحت کے بعد ہماری واپسی ہوئی۔ یہاں سے الفصاحۃ ٹائپنگ سینٹر پر آ کر کچھ دیر رکے، مولانا شفیق صاحب نے عملے کو کچھ ہدایات دیں، اس کے بعد گھر آئے، مسلسل پیدل چلنے کی وجہ سے پیروں میں تکلیف ہورہی تھی، اس لئے کھانا کھا کر جلد ہی سو گئے۔

مسجد شیخ زاید سے واپسی پر مولانا ضیاءالدین صاحب کے ایک شاگرد مولانا ارشاد احمد قاسمی ملاقات کے لئے آئے، مولانا ارشاد احمد ارریا بہار کے رہنے والے ابوظبی میں وزارۃ الاوقاف کی طرف سے ایک مسجد میں امام ہیں اور پاسبان علم وادب کے ممبر ہیں۔ مولانا کی تعلیم فارسی سے لے کر عربی پنجم تک مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں ہوئی ہے، ۲۰۰۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی تکمیل کی ہے۔انھوں نے دوپہر کو اپنی قیام گاہ پر ظہرانے میں مدعو کیا۔ظہر کی نماز کے بعد مولانا شفیق صاحب کی معیت میں ہم لوگ ان کی مسجد میں پہنچے، مسجد کے احاطہ میں ان کی رہائش گاہ تھی۔انھوں نے دعوت میں خاصا اہتمام کیا اور ہمارے ذوق کی پوری رعایت رکھی، کھانے کے بعد کچھ دیر وہاں رہے اور عصر کی نماز سے کچھ پہلے اپنی قیام گاہ پر واپس ہوئے۔ابوظبی بلکہ پورے امارات میں صفائی ستھرائی کا بہت اہتمام ہے، جگہ جگہ کوڑے دان رکھے نظر آئے، اس لئے دوران سفر راستے میں کبھی کوئی چیز

پڑی ہوئی نہیں دیکھی ۔شہر کو ہرا بھرا رکھنے کے لئے سڑکوں کے کنارے اور ڈیوائڈر پر گلابی اور سفید پھول بکثرت لگائے گئے ہیں جو نگاہوں کو بہت بھلے لگتے ہیں ۔ یہاں کے لوگ قانون اور ضابطے پر عمل کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ ممکن نہیں کہ جگہ بے جگہ کوئی چیز ڈال دیں چاہے کتنی ہی عجلت میں کیوں نہ ہوں ، قانون کا دبدبہ یہاں دیکھنے کو ملا، جو ہم لاقانونیت کے عادی بھارتیوں کے لئے ایک عجوبہ سے کم نہیں۔

آج پہلا دن تھا کہ عصر سے عشاء تک کی نماز مولانا شفیق صاحب کی اقتداء میں پڑھنے کا موقع ملا ،عصر کے بعد انھوں نے اوقاف کی جانب سے مقرر کردہ کتاب ''دروس المساجد'' کے کچھ حصے پڑھ کر سنائے ،جیسا کہ ہمارے یہاں فضائل اعمال یا منتخب احادیث پڑھی جاتی ہے ۔مغرب اور عشاء میں پوری مسجد بھری ہوئی تھی ۔آج رات کا کھانا گروپ کے ہر دلعزیز وقابل احترام رکن مولانا مفتی محمد ارشد شیروانی کے یہاں تھا ۔مفتی صاحب میرے بزرگ کرم فرما ہیں ،راسخ فی العلم ،حاضر جواب ، برجستہ گو اور ذہانت وفطانت کے پیکر ہیں ،شعر وادب سے بھی گہرا لگاؤ ہے ۔ان کے والد مولانا محمد شمیم صاحب دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے ہیں ،تقریباً ۳۵/ ۴۰ سال امارات میں رہے اور ایک متحرک وفعال زندگی گزاری ،اب ۲۰۱۷ ء سے اپنے وطن شیرواں میں مقیم ہیں۔

مدرسہ بیت العلوم سرائمیر کے اساطین میں سے ایک اہم نام مولانا عبدالقیوم صاحب بکھراوی کا ہے، مفتی صاحب ان کے نواسے ہیں ۔دارالعلوم دیوبند سے فضیلت اور افتاء کرنے کے بعد دارالعلوم ہی میں دوسال معین مدرس رہے، پھر تقریباً دس سال تک فیض العلوم شیرواں سرائمیر میں تدریس سے منسلک رہے، ادھر چند سالوں سے ابوظبی میں وزارت اوقاف کے فتویٰ سینٹر میں بحیثیت مفتی کام کررہے ہیں ۔ان کی بنیادی ذمہ داری فون پر اور ایس ایم ایس کی شکل میں سوالوں کے جوابات دینا ہے، نیز خطبۂ جمعہ کا اردو ترجمہ کرنا اور اسے ریڈیو پر نشر کرنا ہے ۔ان کا تیار کردہ ترجمہ ملک کی ان تمام مسجدوں میں ائمۂ مساجد پیش کرتے ہیں جہاں اردو والوں کی معتد بہ تعداد ہے جس روز ہم لوگ ابوظبی پہنچے وہ اپنے

بھائیوں کے پاس العین جا چکے تھے جو وہاں برسر روزگار ہیں، یہاں سنیچر اور اتوار کو سرکاری تعطیل ہوتی ہے اس لئے عام طور پر ان دنوں میں لوگ سیر وتفریح اور ملاقات کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔ مفتی صاحب نے العین سے ہی فون کر کے مولانا شفیق صاحب سے کہہ کر رات کی دعوت پکی کر دی تھی۔

عشاء کی نماز پڑھ کر ہم لوگ نکلنے کی تیاری کر رہے تھے کہ گروپ کے اہم ممبر ابوحارث انجینیر صاحب تشریف لائے، ان سے چند منٹ کی ایک مختصر سی ملاقات رہی، انھوں نے اگلے روز ظہرانہ پر ہمیں مدعو کیا۔ انجینیر صاحب سے مل کر ہم لوگ مفتی ارشد صاحب کے یہاں روانہ ہوئے۔ وہیں پر میرے درجہ حفظ کے ایک ساتھی محمد آصف (متوطن منگراواں) کا قیام بھی ہے، تھوڑی دیر کے لئے وہاں پہنچے، انھوں نے بڑا پر جوش استقبال کیا اور زبردست ضیافت کی، منگراواں سے ہزاروں کلومیٹر دور انھوں نے دیگر چیزوں کے ساتھ خالص دیسی چیز ''گوجھیا'' بھی کھلائی۔ آصف بھائی ہمارے مدرسہ کے ناظم مولانا عبدالعظیم صاحب کے رشتہ دار ہوتے ہیں اور ابوظبی میں کامیاب تاجر مانے جاتے ہیں، انھوں نے ہمارے ساتھ بڑے خلوص وتعاون کا معاملہ کیا۔

وہاں سے مفتی محمد ارشد شیروانی صاحب کے یہاں پہنچے، مفتی صاحب سراپا انتظار تھے، انھوں نے اپنے صاحبزادہ عبدالحفیظ سلمہ کے ساتھ پُرتپاک خیر مقدم کیا، عبدالحفیظ سلمہ اپنے چہرے مہرے اور حلیہ سے بالکل عرب لگ رہے تھے۔ مفتی صاحب کی رہائش ایک کشادہ اور وسیع فلیٹ میں ہے۔ ان کی شخصیت میں خاص قسم کی کشش ہے، جو بھی ان سے ملے گا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، مجھے ان سے بڑا اُنس ہے۔ ان کی شاندار دعوت اور دلنشیں و پُرمزاح گفتگو سے خوب محظوظ ہوئے، بارہ بجے کے قریب وہاں سے واپسی ہوئی۔

۱۴رفروری منگل کو ابوظبی میں قیام کا تیسرا دن تھا، نماز فجر کے بعد چند منٹ تفریح کا معمول یہاں بھی رہا۔ آج کی تفریح میں مولانا شفیق صاحب بھی ساتھ ہو گئے اس لئے قدرے لمبی تفریح ہوگئی جبکہ استاذ محترم حسب معمول سونے چلے گئے۔ فجر کے بعد مولانا ولی

اللہ جمیل قاسمی (منگراواں) آگئے، یہ ہمارے دوست مفتی ذیشان صاحب کے خاص تلامذہ میں سے ہیں، ان کی حفظ کی کچھ تعلیم خیرآباد میں بھی ہوئی ہے، باصلاحیت ہونے کے ساتھ بڑی صالح طبیعت پائی ہے۔ دیر تک ساتھ رہے اور یہاں کے احوال پر گفتگو ہوتی رہی، اسی دوران فجر بعد کے ہلکے پھلکے ناشتہ کا پہلا دور حسب معمول شروع ہوگیا قسم اول یعنی نماز فجر کے بعد کی خوشبودار چائے اور ہری تازہ چٹنی میں بھنی تلی لذیذ مٹر اور نیم بوائل انڈوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ ہمارے دیار پورب میں تو بغیر روٹی کے ناشتے کی تکمیل نہیں ہوتی، اس لئے اس چائے کے دوتین گھنٹے بعد دوسرا تکمیلی ناشتہ ہوتا تھا۔ مولانا ولی اللہ کے جانے کے بعد کچھ دیر آرام کیا۔

ظہر کے بعد محترم ابوحارث انجینئر صاحب کے یہاں دعوت تھی ، ابوحارث صاحب کا آبائی وطن علامہ سید سلیمان ندوی کے وطن دیسنہ وعلامہ مناظر احسن گیلانی کے وطن گیلانی سے متصل ایک قدیم علمی بستی''استھانواں'' ہے، ان کی ولادت جمشید پور جھارکھنڈ میں ہوئی جہاں اس وقت ان کے اہل خاندان مقیم ہیں، کچھ وقت ان کا جنوبی ہند میں گزرا ہے۔ عرصہ سے امارات میں بسلسلۂ ملازمت مقیم ہیں، اگر حالات موافق رہے تو آئندہ سابق مرکز خلافت ترکی کے مقیمین میں سے ہوں گے۔ تبلیغی جماعت سے گہرا تعلق ہے، اکابر علماء سے بڑے مخلصانہ مراسم ہیں، ان کی لائبریری دیکھ کران کے شوق علم وذوق مطالعہ کا کسی قدر اندازہ ہوا۔ ظہر کی نماز کے بعد مولانا شفیق صاحب کی معیت ورہنمائی میں مولانا ضیاء الدین صاحب، میں اور مولانا ولی اللہ جمیل، انجینئر صاحب کے یہاں پہنچے، انھوں نے ہمارا پرتپاک استقبال کیا۔ ابوظبی میں مقیم تمام پاسبانیوں کو انھوں نے مدعو کیا تھا، تھوڑی ہی دیر میں مولانا فیضان احمد باقوی، مولانا قاری محمد الیاس اور مولانا ارشاد احمد صاحبان بھی تشریف لے آئے، مفتی ارشد صاحب شیروانی اپنی ڈیوٹی کی وجہ سے نہ آسکے۔ مولانا فیضان احمد باقوی بھٹکل کے رہنے والے ایک یمنی نژاد ہندی ہیں، مدرسہ باقیات الصالحات، ویلور ریاست تمل ناڈ کے فاضل ہیں جو یہاں کا قدیم دینی ادارہ ہے، جس کا قیام ۱۸۵۷ء میں ہوا

تھا، اسی نسبت سے خود کو باقوی لکھتے ہیں، ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، اہل پاسبان (پاسبان علم وادب گروپ) ان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ مولانا قاری الیاس صاحب ہاپوڑ کے رہنے والے ہیں اور یہاں اوقاف کی ایک مسجد میں امام ہیں، مولانا ارشاد صاحب کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

ایک بات ضرور کہوں گا کہ پاسبان علم وادب کی برکات اس سفر میں خوب ظاہر ہوئیں، اس کے بانی اور دیگر ممبران نے حد درجہ قدر افزائی کی۔ انجینئر ابوحارث کی یہ شاہی انداز کی دعوت بھی اسی محبت وقدردانی کا ایک حصہ تھی، جس میں پاسبان کے بڑے اہم ممبران جمع تھے۔ دعوت کی کیفیت یہ تھی کہ چکن ترکی سے آیا تھا، خاص قسم کی فش، بے حد لذیذ معلوم نہیں وہ کہاں سے آئی تھی، اس پر مستزاد ترکیہ کی تازہ تازہ عمدہ کوالٹی کی انجیر ودیگر فروٹس، ماکولات ومشروبات کی تمام قسمیں بڑی ذائقہ دار تھیں۔ ابوحارث صاحب کی مہمان نوازی متنوع بھی تھی اور منظم ومرتب بھی کہ کون سی ڈش کب کیسے پیش کرنی ہے، کھانے کی اقسام میں منتخب ڈشیں تھیں، دعوت کا قدیم وجدید انداز بہت پسند آیا، جیسا کہ میں نے لکھا کہ ہمارے میزبان کو دعوت وتبلیغ سے خاص مناسبت ہے اور گفتگو میں استدلالی لہجہ، اس پر وسیع معلومات مستزاد۔ ان کی شخصیت نے سب کو بہت متاثر کیا خاص کر مولانا ضیاء الدین صاحب کو، بعد میں بھی مجھ سے انجینئر صاحب کی تعریف کرتے رہے کہ ان کی شخصیت بڑی متاثر کن ہے، اسی طرح دیگر ممبران بالخصوص باقوی صاحب کی ہردلعزیز شخصیت نے دل پر خوشگوار نقوش چھوڑے۔ واقعی اس بزم شرب وطعام میں شرکت سے بہت لطف آیا۔ پاسبان علم وادب کی یہ بزم ہمارے مولانا شفیق احمد قاسمی نے سجائی اور سنواری ہے جس کی تزئین کاری سے کبھی غافل نہیں رہتے، وہ جب ساتھ میں ہوں تو محفل یاراں کا جو انداز بے تکلفی ہوگا وہ کس قدر پرکشش اور حسین ہوگا، بس اس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ اس دعوت کے تقریباً سب ہی مدعوئین منصب امامت پر فائز تھے اس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی عصر سے کچھ پہلے اس محفل یاراں ومجلس ناؤونوش کو خیر باد کہنا پڑا۔

ارادہ یہ تھا کہ آج شام یا کل صبح العین روانہ ہوجائیں جہاں میرے عزیز شاگرد مولانا شفیع اللہ فراہی قاسمی اور مولانا ضیاء الدین صاحب کے صاحبزادے عزیزم حارث وقار سلمہ ہمارے منتظر تھے،لیکن اس روز کے بجائے اگلے روز بدھ کو العین روانہ ہوسکے۔

۱۵ر فروری بدھ کو قیام ابوظبی کا آخری دن تھا، ارادہ تھا کہ فجر کے بعد چائے وغیرہ پی کر نکلیں اور کورنیش ابوظبی یعنی ابوظبی کے ساحل سمندر کو دیکھتے ہوئے اور اس کی سیر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے العین کے لئے روانہ ہوجائیں ،لیکن آج اوقاف کی جانب سے ایک اہم میٹنگ تھی جس میں مولانا شفیق صاحب کی شرکت لازم تھی ،مولانا نے بتایا کہ کرونا کے بعد یہ پہلی آف لائن میٹنگ ہے، اب تک صرف آن لائن میٹنگ ہی ہوتی چلی آرہی تھی اس لئے اس میں شرکت ضروری ہے۔میٹنگ سے واپسی کے بعد کورنیش (ساحل سمندر پر تفریح کے لئے جو راستے بنائے جاتے ہیں اسے کورنیش کہتے ہیں۔) پر چلیں گے۔میٹنگ سے واپسی کے بعد ناشتہ کرکے بارہ بجے کے قریب نکلے۔

مولانا شفیق صاحب نے خلاف عادت ومعمول محض ہم دونوں کی وجہ سے تین دن سے گویا چھٹی لے لی تھی اور تمام مصروفیات کو ترک کرکے ہم دونوں کو ہر خاص اور مشہور قابل دید مقامات کی سیر کراتے رہے ،(جزاہ اللہ عنا) نماز ظہر سے ایک گھنٹہ قبل ہم کو اپنی شاندار وآرام دہ بلیک کلر کی پجارو سے لے کر ابوظبی کے پوش حصہ کورنش (ساحل سمندر) پر لے گئے، ان خاص اور اہم ترین علاقوں میں بھی لے گئے جہاں امارات کی وزارت خارجہ، دفاع اور مالیات کے دفاتر بھی ہیں اور آل نہیان شاہوں وشہزادوں کے ذاتی محلات وقصور بھی ہیں، اسی سے متصل غیر ممالک کے سفارتخانے وآفسیں اور آسمان سے باتیں کرتے ہوئے اونچے اونچے ہوٹلز بھی ہیں، جیسے قصر الامارات، برج الاتحاد، المارینا مول، شیراٹن ہوٹل، چیمبر آف کامرس بلڈنگ، المرکز التجاری، فندق نوفیٹل، بلدیۃ ابوظبی الرئیسی، شیخ زاید برج اور حاکم ابوظبی وملک کے صدر کا قلعہ نما پیلس وغیرہ وغیرہ، یہ بلند وبالا اور خوشنما ودلفریب عمارتیں سیاحوں کے دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔استاذی مولانا ضیاء الدین صاحب کو

مناظر فطرت سے کچھ زیادہ لگاؤ ہے، انھوں نے ہر اہم اور خوبصورت منظر اور مقام کو اپنے موبائل میں محفوظ کر کے اسے اسٹیٹس پر لگایا جس سے ہمارے گھر والوں اور متعلقین کو ہماری تمام تر سرگرمیوں سے آگاہی ہوتی رہی اور وہ خود کو ہمارا ہم سفر تصور کرتے رہے، اس کے علاوہ سیکڑوں احباب بھی ان مناظر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ایک دوست نے مجھے لکھا کہ آپ کی تحریر اور مولانا کی تصویر سے ہم بھی آپ کے ہم قدم وہم سفر ہیں۔

کئی کلومیٹر تک پھیلے کورنش پر خوبصورت سدابہار، طرح طرح کے پھولوں کی کیاریاں، مخملیں گھاسوں کے قطعے اور کشادہ اور چمچماتی سڑک، بیچوں بیچ ڈیوائڈر پر لگے چھوٹے چھوٹے درخت اور مختلف اقسام کے پھولوں کے پودے دعوت نظارہ بھی دے رہے تھے، روح وقلب میں تازگی اور طبیعت میں نشاط وانبساط پیدا کررہے تھے، ساحل سمندر کی بکھری ریتوں پر چھوٹی چھوٹی چھتریاں، ان کے نیچے پڑی کرسیاں اور آس پاس خیمہ نما سائبانوں سے عربی بدوی ثقافت کا مشاہدہ بھی بڑا خوشگوار منظر پیش کررہا تھا۔ساحل سمندر کی سیر کرانے کے لئے جدید طرز کے تیز رفتار اسٹیمرس، قدیم طرز کی کھلی کشتیاں اور کچھ دوری پر گہرے سمندر میں شپس (پانی کے جہاز) نظر آرہے تھے۔دوپہر کا وقت تھا اس لئے اکادکا یورپی سیاح دکھائی دے جاتے تھے، شفیق بھائی نے بتایا کہ صبح سات سے نو بجے تک غسل آفتابی کے دلدادہ سیاحوں کا یہاں ہجوم رہتا ہے جو ریت پر لیٹے رہتے ہیں اور کھاتے پیتے کھیلتے کودتے رہتے ہیں، جبکہ شام کو جب سورج کی تپش کم ہوجاتی ہے تو ساحل سمندر پر چہل قدمی کرنے والے عربوں، سیاحوں اور تماش بینوں کا ازدحام لگ جاتا ہے۔کئی ایک کافی شاپ بھی نظر آئے تاکہ اکل وشرب کا سلسلہ بھی جاری رہے۔چونکہ یہ خاص سیاحتی مقام اور سرکاری دفاتر کا علاقہ تھا اس لئے سیکورٹی کے سخت انتظامات بھی قدم قدم پر تھے، لیکن گزرنے والوں کے لئے کہیں رکاوٹ کا باعث نہیں بنتے، صرف عقابی نظروں سے ہر طرف کا جائزہ لیا جاتا ہے اور کیمرے کی آنکھ ہر جگہ، ہر مقام اور ہر فرد پر لگی رہتی ہے، کیا مجال کہ ہلکی سی قانون شکنی اور بے احتیاطی پر گرفت میں آنے سے کوئی بچ کر نکل جائے۔

حکمرانوں کی سادگی کا حال یہ ہے کہ وہ اوران کے اہل خاندان بذات خود ڈرائیونگ کرتے ہوئے روڈ پر نکل آتے ہیں اور کوئی ہٹو بچو کا معاملہ نہیں رہتا۔

یہاں کی سیر وتفریح کے بعد مولانا شفیق صاحب ہمیں ابوظبی کے بس اڈہ لے آئے، ہمارا ارادہ یہ تھا کہ العین کا سفر بس سے کیا جائے تا کہ یہاں کے پبلک ٹرانسپورٹ کا بھی اندازہ ہو۔ دو بجے کے بعد ہم بس اڈے کے اندر پہنچے، جو کسی چھوٹے موٹے ایر پورٹ کا منظر پیش کررہا تھا، معلوم ہوا کہ العین کے لئے بس پونے تین بجے ہے، یہاں سے العین کی مسافت تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر ہے، ٹکٹ ۳۵/ درہم کا تھا۔ ٹکٹ ہمارے حوالے کرنے کے بعد مولانا نے الوداعی مصافحہ کیا اور اجازت چاہی جو نہ چاہتے ہوئے بھی دینی ہی تھی۔ مولانا نے تین دن اپنے آپ کو ہمارے لئے وقف کررکھا تھا، استاذی مولانا ضیاء الدین صاحب نے اپنے تاثرات میں بالکل درست لکھا ہے:

> ’’ہمارے میزبان وداعی مولانا شفیق احمد قاسمی نے ہرخاص اور اہم مقامات کی سیر کرائی، جو شاید ان کی تیس سالہ اماراتی زندگی کا پہلا چانس تھا کہ کسی لئے بذات خود تین دن تک اپنے کو وقف کردیا ہو، ورنہ ان کی سرکاری اور ذاتی مصروفیات اتنی زیادہ اور اہم ہیں کہ سر اٹھانے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ حیرت ہوگی کہ ابھی تک انہوں نے برج خلیفہ قریب سے نہیں دیکھا ہے، بایں ہمہ مشغولیات صرف میری وجہ سے اور حاجی بابو کی دوستی کے سبب انہوں سب کچھ ملتوی کرکے ہم کو پورا وقت دیا، زادہ اللہ شرفاً وفضلاً۔‘‘

یہاں ہر سرکاری عمارت، دفاتر اور فلیٹس میں نماز کے لئے جگہ مخصوص ہوتی ہے، ہم لوگوں نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی، استنجا وضو سے فارغ ہوکر ظہر پڑھی اور انتظار گاہ (ویٹنگ ہال) میں آگئے، تین بجے اعلان ہوا کہ گیٹ نمبر 3 سے العین کے مسافرین بس میں سوار ہوجائیں، گیٹ نمبر 3 سے اندر گئے اور ٹکٹ دیکھ کر کنڈکٹر نے اندر جانے کی اجازت دی۔ ٹھیک پونے تین بجے بس روانہ ہوئی، یہ ایک شاندار قسم کی لگزری اے سی بس تھی۔ کچھ

سوتے کچھ جاگتے شہری وصحرائی مناظر سے لطف اندوز ہوتے سوا دو گھنٹے میں العین پہنچ گئے، اس دوران عزیزی مولانا شفیع اللہ فراہی برابر رابطہ میں رہے اور مولانا ضیاء الدین صاحب کے صاحبزادے عزیزم حارث وقار بھی۔ پانچ بجے ہم لوگ العین بس اڈے پہنچ گئے اور وہیں عصر کی نماز ادا کی۔ حارث وقار سلمہ اپنے ایک دوست فیروز کے ساتھ اسٹیشن آ گئے تھے اور ہمیں لے کر مولانا شفیع اللہ صاحب کی قیام گاہ پر پہنچے، مغرب کی اذان کا وقت ہو چکا تھا اور وہ مسجد کے لئے نکل رہے تھے یہ بھی ایک مسجد میں امام ہیں۔ مولانا کے دونوں صاحبزادے احمد شفیع ومحمد ثانی سلمہما نے سامان اٹھایا اور ہمیں کمرے میں پہنچایا، وہیں وضو کر کے ہم لوگ بھی مسجد پہنچ گئے۔

تین دن العین میں:

گزشتہ صفحات میں لکھ چکا ہوں کہ ۱۵؍فروری بدھ کو مغرب کے وقت ہم لوگ العین پہنچ گئے۔ العین ریاست ابوظبی کا ایک شہر ہے جو عمان کے بالکل قریب واقع ہے، کئی مرتبہ شہر میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کے دوران عمان کی سرحد کے قریب سے گزرنے کا اتفاق ہوا، ایک طرف العین تو دوسری جانب عمان، درمیان میں سرحد پر جالیوں کی رکاوٹ، العین سے متصل عمان کا شہر برہمی ہے جہاں مولانا ضیاء الدین صاحب کے خاص شاگرد اور میرے عزیز دوست مفتی شاہنواز (منگراواں) رہتے ہیں، لیکن قانون کی دیواروں نے چند قدم کے فاصلوں کو اتنا بعید کر دیا کہ لاکھ چاہنے کے باوجود ہم وہاں نہیں جا سکتے تھے۔

العین متحدہ عرب امارات کا چوتھا بڑا شہر ہے، یہاں سے ابوظبی اور دبئی دونوں کی مسافت تقریباً ڈیڑھ سو کلومیٹر ہے، یہ تینوں شہر کچھ اس طرح واقع ہیں کہ باہم مل کر ایک مثلث بن جاتے ہیں، یہاں آنے سے پہلے میں اسے دبئی کا حصہ سمجھ رہا تھا۔ یہ ایک سرسبز وشاداب علاقہ ہے، کھجور کے باغات کی کثرت اور قدرتی چشموں کی وجہ سے یہ مدینۃ الحدائق یا گارڈن سٹی کے نام سے جانا جاتا ہے، یہاں بہت سے تاریخی آثار ومقامات ہیں۔

یہاں عربی تہذیب وثقافت کو باقی رکھنے کے لئے حکومت کو خاص دلچسپی ہے، بانی امارات شیخ زاید کو اس جگہ سے خاص لگاؤ تھا ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ یہیں گزرا ہے، انھیں کی فکر اور کوشش سے یہ آج اس قدر آباد و پُررونق ہے۔ ان کے دو محلات یہاں موجود ہیں، جن کو ابھی تک اسی حال میں رکھا گیا ہے جیسا کہ آج سے سو سال پہلے وہ تھے، وہی مٹی گارے اور چونے وگچ کی دیواریں اور لکڑی وشہتیر کی چھتیں ہیں، جو اب بھی ہمارے یہاں دیہاتوں میں کہیں کہیں دیکھنے کو مل جاتی ہیں۔ اس کی حفاظت وبقا کے لئے حکومت لاکھوں درہم سالانہ خرچ کرتی ہے، ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔ ہمارے دیار کی ایک بڑی تعداد بسلسلۂ روزگار یہاں آباد ہے۔ مولانا شفیع اللہ قاسمی فراہی جو میرے عزیز ترین شاگرد ہیں، ان کا قیام بھی اسی شہر میں ہے، وہ اوقاف کی طرف سے ایک مسجد میں امامت کا فریضہ انجام دے رہے، مسجد سے متصل ہی ان کی رہائش ہے، انھوں نے از راہ سعادت پہلے ہی سے کہہ رکھا تھا کہ قیام ہمارے یہاں رہے گا، چنانچہ بس اسٹاپ سے سیدھے ان کے یہاں پہنچے، سامان رکھ کر مغرب کی نماز ادا کی گئی۔ نماز کے بعد دیار پورب کی روایت کے مطابق چائے مع لوازمات کے نوش کی گئی۔ ان کے دونوں بچے احمد شفیع ومحمد ثانی ضیافت میں باپ کے قدم بہ قدم رہے، دونوں بڑے مہذب، سلیقہ شعار اور فہیم وسمجھدار ہیں، ان کا انداز گفتگو بڑا بھلا اور پیارا ہے۔ اللہ تعالیٰ دین ودنیا کی ترقیات اور صلاح وفلاح سے نوازے۔

۱۹۹۹ء میں جب مدرسہ شیخ الاسلام شیخو پور سے میری تدریسی زندگی کا آغاز ہوا، اسی سال مولانا شفیع اللہ وہاں عربی اول میں داخل ہوئے، عمر یہی کوئی پندرہ سال رہی ہوگی، جن لوگوں کو میں نے تدریس کے پہلے دن سبق پڑھایا ہے ان میں یہ بھی شامل تھے۔ میں نے چند سال پہلے پاسبان علم وادب میں ان کے متعلق قلم برداشتہ چند تعارفی سطریں لکھی تھیں ان کو یہاں شامل کرتا ہوں:

''میری تدریس کا پہلا سال تھا، ایک نوعمر طالب علم عربی اول میں داخل ہوا، معصوم، ذہین اور پڑھنے کا شوقین! درسیات کے ساتھ ساتھ دیگر کتابوں اور قلم وقرطاس سے

بھی لگاؤ رکھتا تھا، چونکہ مجھے بھی لکھنے پڑھنے کا کسی حد تک ذوق تھا اس لئے یہ نو وارد طالب علم مجھ سے قریب ہوتا گیا اور مطالعہ وتحریر میں مجھ سے رہنمائی کا طالب ہوا، اس شوق کو دیکھتے ہوئے میں ایک مناسب انداز میں رہنمائی کرتا، دن بدن اس کے ذوق مطالعہ اور تحریر وانشاء میں نکھار آتا رہا۔ وہ پورے پانچ سال ہمارے یہاں رہا، یہاں سے جلالین شریف پڑھ کر عالمیت کی تکمیل کی اور تکمیل فضیلت کے لئے دیوبند چلا گیا ،اور وہاں کے چشمۂ علم سے اپنی علمی تشنگی کی سیرابی کا سامان کرتا رہا۔ دو سال وہاں رہ کر رسمی تعلیم کو ۲۰۰۵ء میں مکمل کیا۔ اس کے بعد چند سال وہ تدریس کے شعبہ سے منسلک رہا، افسوس کہ اس کا جو ذوق تھا اس کے مطابق اسے میدان نہ ملا، پھر بھی اس نے اپنی ذاتی محنت اور شوق کی بنا پر پڑھی ہوئی چیزوں کو محفوظ رکھا، امارات میں رہنے کے باوجود فرصت کے اوقات کو مطالعہ وتحریر میں لگائے رکھا، اور علمی ذوق کو پروان چڑھاتا رہا اور جلا بخشتا رہا، غور وفکر اور بات کی حقیقت اور تہ تک پہنچنا اس کی طبیعت اور مزاج ہے۔ مجھے اس کا فکری تصلب اور صاف دلی وصاف گوئی بہت پسند ہے۔ آپ نے پہچانا کل کا یہ طالب علم کون ہے؟ یہی عزیز گرامی مولانا شفیع اللہ اعظمی، قاسمی زادہ اللہ علماً وشرفاً ہیں۔''

شیخوپور سے جانے کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب مسلسل کئی دن ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، بہت سی پرانی یادیں تازہ ہوگئیں۔ عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھا کر ٹہلنے کے لئے نکلے، یہاں عام طور سے رات گیارہ بجے کے بعد دوکانیں بند ہوتی ہیں، اس لئے اس وقت آباد بازار اور اس کی رونق پوری طرح برقرار تھی۔ مولانا شفیع اللہ کی قیام گاہ سے مولانا ضیاء الدین صاحب کے صاحبزادے حارث وقار سلمہ کی دوکان چند منٹ کے فاصلہ پر تھی، تھوڑی دیر کے لئے وہاں بھی پہنچے۔ وہاں خطۂ اعظم گڑھ کے کئی لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ یہیں میرے عزیز دوست مفتی فیض احمد اعظمی (کٹولی مقیم کویت) اور ڈاکٹر ارشد قاسمی (شفا چائلڈ کیئر لال گنج) کے برادر اکبر شاہ نواز بھائی رہتے ہیں، ان کا فون آیا، ان سے دوسرے دن ملاقات کا وقت طے ہوا۔ مولانا شفیق صاحب کے داماد مولانا ابوشحمہ بھی یہیں ہیں اور

الفصاحۃ ٹائپنگ العین کی برانچ کے ذمہ دار ہیں، ان کا ذکر ابتدائی صفحات میں آچکا ہے۔ انھوں نے بھی فون کرکے یہاں قیام کی تفصیلات معلوم کیں اور دوسرے روز اپنے یہاں مدعو کیا۔گھوم پھر کر بارہ بجے کے قریب قیام گاہ پر واپس آئے ،مولانا شفیع اللہ کی رہائش گاہ کافی کشادہ اور ہر قسم کی سہولیات سے آراستہ ہے،اس کا محل وقوع بہت مناسب ہے،انھوں نے ایک کمرے میں دو بیڈ لگا کر ہمارے رہنے کا بہترین نظم کیا تھا۔ امارات کے سفر میں تمام سہولیات اور آسانی کے ساتھ ایک چیز کی وجہ سے سخت دشواری رہی ، وہ تھی کموڈ سسٹم یعنی مغربی طرز کے بیت الخلا، ہر جگہ چاہے وہ ایرپورٹ ہو،مسجد ہو،کسی کا گھر ہو یا ہوٹل وہی بیت الخلا ملے،جو ہم مشرقیوں کے لئے بلائے جان تھے ، چھینٹوں سے خود کو بچانے اورطہارت کو باقی رکھنے کے لئے کس کس طرح اس سے ہم لوگوں نے نبرد آزمائی کی بس ہم ہی جانتے ہیں۔مولانا شفیع اللہ کے یہاں اس مصیبت سے نجات ملی،انھوں نے الگ سے مشرقی طرز کا ایک بیت الخلا ذاتی طور پر بنوالیا ہے۔یہاں انھوں نے اوران کے اہل وعیال نے میرے مزاج کے مطابق ہر طرح سے ہم دونوں مہمانوں کی راحت کا خیال رکھا۔ جزاھم اللہ خیر الجزا

قصر المویجعی:

سعودی عرب اور امارات کا تجربہ یہ ہے کہ جلد سونے کا چاہے جتنا اہتمام کیا جائے اس کے باوجود سوتے سوتے بارہ تو بج ہی جاتے ہیں۔پھر صبح میں اٹھنا مشکل ہوتا ہے، جولوگ فجر کے لئے اٹھتے ہیں وہ بھی کم خوابی کی وجہ سے نماز کے بعد ڈھیر ہوجاتے ہیں۔ مولانا شفیع اللہ نے بتایا کہ میرا عام معمول ہے کہ میں سویرے سوتا ہوں اور فجر بعد سونے کی عادت نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے فجر کے بعد مع لوازمات چائے پلائی اور اپنی گاڑی سے لے کر العین کی تفریح کے لئے نکلے۔سب سے پہلے یہاں کے ایک تاریخی مقام ''قصر المویجعی'' پہنچے۔ یہ مولانا شفیع اللہ کی قیام گاہ سے بمشکل پیدل پانچ منٹ کی مسافت پر ہے۔۱۹۴۶ء میں شیخ زاید بن سلطان آل نہیان کو جب العین میں نائب حکمران مقرر کیا

گیا تو انھوں نے اسی محل میں رہائش اختیار کی تھی اور یہی ان کی قیام گاہ اور دیوان عام وخاص سب بن گیا۔ یہ ایک چوکور قلعہ کی شکل میں ہے، جس کے شمال مغربی اور جنوب مشرقی کونوں پر محافظوں کے لئے بلند مینار بنے ہیں، پورے احاطہ میں مختلف قسم کے ہرے بھرے شاداب درخت لگے ہوئے ہیں اور شاندار قسم روشیں بنی ہیں، اس کا ایک حصہ زراعت وکاشتکاری کے لئے مخصوص ہے، جس میں ہم لوگ نہ جا سکے۔

امارات کے دوسرے صدر شیخ خلیفہ بن زاید آل نہیان یہیں ۱۹۴۸ء میں پیدا ہوئے اور اپنی زندگی کے ابتدائی ایام اسی قصر میں گزارے۔ شیخ زاید نے یہاں قیام کے دوران اس میں بہت اضافہ کیا، جب ۱۹۶۶ء میں وہ ابوظبی کے حکمراں بنے تو یہاں سے ابوظبی منتقل ہو گئے۔ یونیسکو نے اس قلعہ کو عالمی ثقافتی مرکز قرار دیا ہے۔ العین آنے والے سیاح اس کی تاریخی اہمیت کی بنا پر اس کی زیارت ضرور کرتے ہیں، اس میں ایک بہترین کافی شاپ بھی ہے جہاں شام سے رات تک کافی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ قلعہ کے اندر ایک مسجد بھی ہے، اسے بھی اسی قدامت کے ساتھ باقی رکھا گیا ہے، مٹی کی دیواریں، پرانے طرز کے دروازے، پرانی شہتیر اور لکڑی والی چھت، یہاں تک کہ اس دور میں روشنی کے لئے جس طرح لالٹین جلتی تھی اسے بھی باقی رکھا گیا ہے اور اسی میں بلب لگائے گئے ہیں۔ عزیزم مولانا شفیع اللہ سلمہ اسی میں امامت کرتے ہیں، مسجد نماز کے اوقات کے علاوہ بند رہتی ہے، اس کی ایک کنجی ان کے پاس تھی اس لئے انھوں نے اسے کھول کر ہمیں دکھایا، اندر پہنچ کر محسوس ہوا کہ ہم ہندوستان کی کسی قدیم دیہاتی مسجد میں آگئے ہیں۔ ہمیں اس میں بہت اچھا لگا، ایک گھنٹے سے زائد یہاں رہنے کے بعد گھر واپس آئے۔

مولانا شفیع اللہ کو اپنے بچے محمد ثانی اور بچی کو اسکول چھوڑنا تھا وہ اسکول چلے گئے اور ہم لوگ لیٹ گئے، احمد شفیع اور اس سے چھوٹا محمد ثانی بڑے ہونہار اور سلیقہ مند بچے ہیں، مجھ سے اور مولانا ضیاء الدین صاحب سے خوب مانوس ہو گئے، جب بھی ہم کہیں باہر سے آتے تو فوراً ہمارے پاس آجاتے کہ کوئی ضرورت ہو تو فرمائیں، ان کے گھر سے متصل کھجور کا

وسیع اور گھنا باغ ہے ایک دن عصر بعد دونوں مولانا کو باغ گھمانے اندر لے گئے پہلے واچ مین سے اجازت لے لی وہ پاکستانی شہری تھا احمد شفیع اور محمد ثانی کو بہت مانتا ہے اس نے خوشی سے اجازت دیدی، اس سے اندازہ ہوا کہ مولانا شفیع اللہ نے اپنے بچوں، بچیوں کی اچھی تربیت کی ہے اور خدمت گزاری کا مزاج بنایا، یہی وصف اب والدین میں نظر نہیں آتا زیادہ تر والدین اپنے بچوں کو آسائش تو فراہم کرتے ہیں لیکن خود وقت نہیں دیتے، میں نے دونوں فرزندوں کا تذکرہ ضروری سمجھا کہ وہ اس لائق ہیں کہ ان کا تذکرہ کروں۔

بہرحال ہم دس بجے ناشتہ سے فارغ ہوکر مولانا ابوشحمہ کے یہاں الفصاحۃ کے آفس پہنچے، ابوظبی کے مرکزی آفس سے زیادہ یہاں کام کرنے والے نظر آئے، یہیں پر میرے ایک اور شاگرد مولوی نورالعین بھی ہیں۔ آفس کے بالکل سامنے ان لوگوں کی رہائش گاہ ہے، وہاں پہنچ کر پانی پینے کے نام پر ڈرائی فروٹس اور جوس وغیرہ اس قدر کھلا پلا دیا کہ گویا کھانا ہی ہوگیا۔ یہاں سے مولانا ابوشحمہ کی گاڑی سے مولانا شفیق صاحب کے بھائی رکن الدین کے یہاں پہنچے، ان کی مولانا ضیاء الدین صاحب سے بڑی بے تکلفی ہے، دونوں دیر تک ہندوستانی سیاست اور ملکی حالات پر بات کرتے رہے۔ انھوں نے کہا کہ رات کا کھانا یہیں کھانا ہے، ان کے اخلاص اور اصرار کے سامنے کسے مجال انکار ہوسکتی تھی، دعوت قبول کر لی گئی اور تاکید کی گئی کہ گیارہ بجے تک ضرور کھانا کھلا دیں، انھوں نے کہا کہ کوشش کریں گے۔ دوپہر کا کھانا مولانا ابوشحمہ کے یہاں کھانا تھا لیکن کئی جگہ جانے کی وجہ سے کچھ نہ کچھ کھانا پڑا جس کی وجہ سے طبیعت بوجھل سی ہوگئی اور میں نے کھانے سے معذرت کر لی، ظہر کے بعد مولانا شفیع اللہ کے یہاں لوٹ آئے اور سو گئے۔ عصر کے وقت جب آنکھ کھلی تو طبیعت ہشاش بشاش تھی۔ نماز کے بعد ہمارے پروانچل کی خاص پسندیدہ ڈش پکوڑی اور دوسرے لوازمات کے ساتھ چائے پی گئی، اسی دوران شاہ نواز بھائی (کٹولی کلاں) آ گئے اور ہمیں لے کر اپنے بعض دوستوں کے پاس گئے، وہاں سے ہماری واپسی عشاء کے وقت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ شاہ نواز بھائی کی اس محبت وخلوص کا اپنے شایان شان اجر

عطا فرمائے کہ طبیعت ناساز ہونے کے باوجود ملنے آئے اور دیر تک ساتھ رہے، چونکہ بچپن سے مفتی فیض صاحب کی وجہ سے ان کے گھر میرا آنا جانا رہا ہے اس لئے ان کے اہل خانہ مجھے اپنے گھر کا ایک فرد ہی سمجھتے ہیں۔

مولانا ضیاء الدین صاحب کے صاحبزادے حارث وقار سلمہ سمو پور کے حاجی افتخار صاحب جو العین میں متعدد دکانوں کے مالک اور مشہور تاجر ہیں، انھیں کی دوکان ارض السلام پر رہتے ہیں اس کے ہیڈ بھی ہیں، ماشاء اللہ کافی مقبول اور ہر دل عزیز ہیں، ان کے حسن اخلاق کی تعریف سب نے کی ہے، بہت جلد لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں۔ انھیں کے یہاں شیخوپور کے قدیم طالب علم حافظ محمد محسن سلمہ اور حاجی صاحب کے بھتیجے شہباز وسراج سلمہما بھی ہیں، ان سے ملنے کے لئے ان کی دوکان پر گئے، حافظ محسن سلمہ بڑے نیک طبیعت اور منتظم وخوش مزاج نوجوان ہیں، انھوں نے فریش جوس سے ہماری ضیافت کی۔ یہاں میرے عزیز شاگرد مولانا خالد سلمہ (سابق استاذ مدرسہ اشاعت العلوم چیک پوسٹ وحال ناظم مدرسہ دارارقم ڈھکہا جونپور) سے بھی ملاقات ہوئی، وہ عمرہ کر کے چند دن پہلے یہاں پہنچے ہیں۔ کچھ دیر یہاں رہ کر ان لوگوں کی خیر خیریت دریافت کی، پھر رکن الدین بھائی کے یہاں پہنچے، وہیں ان کے چھوٹے بھائی وسیم احمد بھی موجود تھے جو صوبہ یوپی کی سرگرم سیاست میں خاصی دلچسپی لیتے ہیں اور اپنے ابو جناب بدر عالم صاحب (مرحوم) کی طرح ان کا بھی سماجوادی پارٹی سے قریبی تعلق ہے، سماجی ورفاہی کاموں میں سرگرم رہتے ہیں۔ ہم حسب وعدہ گیارہ بجے سے کچھ پہلے یہاں پہنچ گئے تھے مگر تجربہ یہ ہوا کہ سعودی اور امارات میں رات کی دعوت ہمارے جیسے بندھے ٹکے اصول والوں کے لئے اکثر بہت مہنگی ثابت ہوتی ہے، دعوت تو بہت زبردست ومتنوع تھی لیکن دسترخوان لگتے اور کھاتے پیتے بارہ بج گئے، نتیجہ یہ ہوا گھر پہنچتے اور سوتے ایک بجے سے زائد ہو گیا۔ آج دن بھر کی بھاگ دوڑ نے تھکا کر رکھ دیا، تکیے پر سر رکھتے ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گئے۔

آج ۱۷ر فروری جمعہ ہے، کل کی بھاگ دوڑ کا اثر اب تک تھا اس لئے نماز فجر کے

بعد آرام کا فیصلہ کیا گیا، پروگرام یہ بنا کہ مولانا شفیع اللہ جب بچوں کو اسکول چھوڑ کر آئیں تو اس کے بعد ناشتہ کرکے باہر نکلیں گے۔نو بجے کے بعد ان کی گاڑی سے مارکیٹ آئے، آج کچھ خریداری کرنی تھی اس لئے مختلف شاپنگ مال میں گئے اور ضروریات کی کچھ چیزیں خریدی گئیں، اس دوران شہر کے مختلف حصوں کی سیر بھی کی گئی۔دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اس شہر کو ایک پلاننگ کے تحت بسایا گیا ہے، تمام سرکاری آفسیں ایک جگہ ہیں، تمام اسکولز اور تعلیمی ادارے ایک جگہ ہیں، اسی طرح انڈسٹریئل ایریا جسے یہاں صناعیہ کہتے ہیں شہر سے قدرے باہر بنایا گیا ہے تاکہ اس کی آلودگی سے شہر محفوظ رہے۔اس شہر کی تعمیر وتاسیس میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ عربی تہذیب وثقافت کو امکانی حد تک باقی رکھا جائے ،گاؤں وقصبات کی طرح یہاں کی فضا بالکل کھلی ہے، بیشتر مکانات ایک یا دو منزلہ ہیں، کہیں کہیں تین یا چار منزلہ عمارتیں نظر آئیں۔ٹاور نما فلک بوس عمارت تو بلا کسی استثناء کے ایک بھی نہیں نظر آئی۔کھجور کے باغات بکثرت نظر آئے، پیڑ پودوں کی وجہ سے خوب ہریالی ہے، یہاں خوب جی لگا۔

مسجد خلیفہ:

سامان وغیرہ کی خریداری کے بعد ساڑھے گیارہ بج گئے، مولانا شفیع اللہ کو اسکول سے بچوں کو لینا تھا، اس لئے شہر کے اس حصے میں آگئے جو یہاں کا تعلیمی زون ہے، سب تعلیمی ادارے یہیں پر ہیں۔جمعہ کے دن جمعہ سے پہلے چھٹی ہوجاتی ہے، انھوں نے بچوں کو اسکول سے لیا اور گھر آگئے۔جمعہ کی نماز یہاں کی سب سے وسیع اور خوبصورت مسجد ''مسجد خلیفہ'' میں پڑھنے کا ارادہ تھا، کہ نماز بھی پڑھ لیں اور اس کے بعد مسجد کو بھی دیکھ لیں۔مسجد جانے سے پہلے مولانا شفیع اللہ کے ایک عزیز محمد سلمان صاحب سے ملاقات ہوئی، ان کے حسن اخلاق وشیریں کلامی نے بہت متاثر کیا۔مسجد خلیفہ میں سوا بجے خطبہ تھا، ابوظبی اور دوبئی میں خطبہ کا یہی وقت حکومت کی طرف سے مقرر ہے۔ایک بجے سے پہلے ہم لوگ مسجد پہنچ گئے، مسجد کے باہر ایک وسیع ایریا کار پارکنگ کے لئے ہے، اس کے ہر حصے میں کچھ

پارکنگ صرف معذورین کے لئے خاص ہے تاکہ ان کوکسی طرح کی دشواری نہ ہو، یہاں پر معذورین اور کمزورافراد کی خصوصی رعایت کی جاتی ہے۔

مسجد واقعی تصور سے زیادہ خوبصورت ہے، یہ امارات کے دوسرے صدر خلیفہ بن زاید کے نام پر بنائی گئی ہے، اس کی تعمیر ۲۰۱۴ء میں شروع ہوئی اور تکمیل ۲۰۲۱ء میں ہوئی، اس کا رقبہ ۶۸۰ مربع میٹر ہے۔ مسجد کا ہال ایک وسیع گنبد پر مشتمل ہے جس کا قطر اندر سے ۷۵ میٹر اور باہر سے ۸۶ میٹر ہے، اس مسجد میں بیس ہزار مصلیوں کی گنجائش ہے جس میں سے ۶۴۰۰ لوگ ہال میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ گنبد کے باہری حصہ پر بڑے خوبصورت انداز میں آیت قرآنی فی بیوت اذن اللہ أن ترفع ویذکر فیھا اسمہ کی نقاشی کی گئی ہے۔ اندر محراب کی جانب بڑے خوبصورت انداز اور نہایت جلی الفاظ میں **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا** لکھا ہوا ہے اور جابجا نقش ونگار بنے ہوئے ہیں، مسجد کا ہر حصہ دامن دل کو اپنی جانب کھینچتا ہے۔ مسجد میں داخل ہوئے تو نصف کے قریب مسجد بھری ہوئی تھی، سوا بجے سے کچھ پہلے اذان ہوئی، پھر سنت پڑھنے کا موقع دیا گیا، امام صاحب نے جو یہاں کے اوقاف میں کسی بڑے عہدہ پر فائز ہیں بہترین انداز میں خطبہ دیا، یہاں تمام مساجد میں خطبہ حکومت کی جانب سے لکھ کر دیا جاتا ہے جسے حضرات ائمہ کرام پڑھتے ہیں۔ سعودی عرب کی مساجد میں بالخصوص حرم میں آدھ پون گھنٹے کے خطبے سن کر ڈر رہا تھا کہ یہاں بھی وہی منظر ہوگا لیکن یہاں کا معاملہ وہاں سے بہت مختلف رہا، سات آٹھ منٹ کا خطبہ رہا، موضوع واقعہ اسراء ومعراج تھا۔ نماز میں سورہ ملک کے کچھ حصے کی تلاوت کی گئی۔ مولانا ضیاء الدین صاحب کے صاحبزادے حارث وقار سلمہ بھی آ گئے تھے، ان کی دوکان یہاں سے قریب ہی ہے۔

نماز کے بعد مولانا شفیع اللہ نے ایک عربی مطعم میں عربی طرز کا کھانا کھلایا، عصر سے پہلے گھر پہنچے۔ رات کی دعوت حاجی افتخار صاحب کے یہاں تھی، وہ اس وقت ممبئی میں ہیں، وہیں سے انھوں نے فون کر کے حارث سے کہا کہ تمہارے والد اور دیگر مہمان کھانا گھر

کھائیں گے۔ گیارہ بجے حاجی صاحب کے صاحبزادے محمد اسلم اپنی گاڑی سے لے کر گھر آئے اور شاہانہ انداز کا کھانا کھلایا، تمام تر امارت وتمول کے باوجود ان لوگوں کا انداز بڑا متواضعانہ تھا، پونے بارہ بجے کے قریب محمد اسلم صاحب نے ہمیں مولانا شفیع اللہ کی رہائش گاہ پر پہنچایا۔ حسب معمول یہاں کی روایت کے مطابق بارہ بجے کے بعد سو سکے۔

قلعۃ الجاہلی:

۱۸ر فروری سنیچر کا دن العین میں ہمارے قیام کا آخری دن تھا، پروگرام کے مطابق ہمیں مغرب تک یہاں سے شارجہ نکلنا تھا۔ صبح ناشتہ کے بعد مولانا شفیع اللہ ہمیں لے کر یہاں کی ایک اہم ترین تاریخی جگہ ''قلعۃ الجاہلی'' لے گئے، یہاں پر بھی قدیم طرز کا بنا ہوا ایک قلعہ ہے جو قصر المویجعی سے بڑا ہے۔ اسی سے متصل ایک نہایت شاندار پارک بھی ہے جو حدیقۃ الجاہلی کہلاتا ہے، یہ الجاہلی کیوں کہلاتا ہے اس کی وجہ نہیں معلوم ہو سکی۔ اس قلعہ کی تعمیر ۱۸۹۱ء میں شروع ہوئی، اور تکمیل ۱۸۹۸ء میں شیخ زاید بن خلیفہ آل نہیان کے ہاتھوں ہوئی، ان کو ''زاید الاول'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے مرکزی دروازے سے داخل ہونے کے بعد بائیں طرف ایک میوزیم ہے جس میں اس قلعہ کی تاریخ تصویروں کے ذریعہ بیان کی گئی ہے، ہر تصویر کے نیچے عربی اور انگلش میں مختصر لفظوں میں اس سے متعلق باتیں درج ہیں۔ ایک کمرے میں بڑی سی ٹی وی اسکرین نصب تھی جس پر قدیم تصاویر کے ذریعہ اس قلعہ کے ماضی کو دکھایا جارہا تھا، ناظرین کے لئے اس میں بیس پچیس گدے دار اسٹول تھے۔ اس کے دس بیس کمروں میں گھومنے کے بعد قلعہ کے میدان میں آ گئے، اور قلعہ کے ایک مینار پر چڑھے۔ شیخ زاید قصر المویجعی کے بعد یہاں مقیم ہو گئے تھے، ہم اس حصہ میں بھی گئے جہاں اپنے اہل خانہ کے ساتھ ان کا قیام تھا، آج کے عرب اگر اس کو دیکھیں تو ان کو مشکل سے یقین آئے گا کہ کبھی ہمارے آباء واجداد کی زندگی اس قدر سادہ اور جفاکشی سے معمور تھی، ویسے یہاں کے حکمراں ان آثار کو محفوظ رکھ کر اپنی نسل نو کو ان کے ماضی سے مربوط رکھنا چاہتے ہیں۔ رہائشی حصہ سے نکلتے ہی ایک کنویں کی علامات تھیں جس سے کسی

زمانے میں پانی کی ضرورت پوری ہوتی رہی ہوگی۔قلعہ کے باہر ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے لیکن قصر المویجعی کی طرح اس میں نماز وغیرہ کا انتظام نہیں ہے۔ابھی ہم قلعہ میں ہی تھے حارث سلمہ کے بزرگ دوست عظیم بھائی کا فون آیا کہ آپ لوگ کہاں ہیں؟ انھوں نے اپنی لوکیشن جو بتائی تو معلوم ہوا کہ وہ بھی قصر الجاہلی کے قریب ہی تھے، عظیم بھائی پھولپور اور شاہ گنج کے درمیان ایک گاؤں کے رہنے والے ہیں، عمر یہی کوئی پچاس سال کے قریب ہوگی، بڑے ہمدرد، مخلص اور بے تکلف انسان ہیں۔انھوں نے جو جگہ بتائی تھی چند منٹ میں ہم لوگ وہاں پہنچ گئے، حارث سلمہ بھی ان کی گاڑی میں موجود تھے، انھوں نے اپنے چند دوستوں سے ملاقات کرائی، ان میں سے ایک محمد آصف صاحب بھی تھے جو عظیم بھائی اور ہمارے ناظم صاحب کے رشتہ دار تھے، یہاں سے چائے وغیرہ پی کر واپسی ہوئی۔

آج دوپہر کا کھانا حارث کے دوست محمد فیصل حاجی پوری کے یہاں تھا، یہ یہی وہ فیصل ہیں جن کا ذکر بالکل ابتداء میں آچکا ہے جو ہمارے ساتھ بنارس سے شارجہ آئے تھے۔ظہر بعد مولانا شفیع اللہ کے برادر نسبتی محمد یاسر صاحب سے ملاقات کرنی تھی، عظیم بھائی نے ہمیں ان کے یہاں پہنچادیا، ظہر کی نماز پڑھا کر مولانا شفیع اللہ بھی وہیں آگئے، فیصل کو بھی وہیں بلالیا گیا تاکہ یاسر بھائی سے مل کر جلد از جلد کھانے سے فارغ ہوجائیں اور کچھ دیر آرام کے بعد شارجہ نکل جائیں۔یاسر بھائی ایک طویل القامت خوبرو نوجوان اور کامیاب بزنس مین ہیں، مختلف موضوعات پر ان کی معلومات کافی وسیع ہیں، انھوں نے بڑے والہانہ انداز میں ہمارا استقبال کیا اور کہا کہ کھانا تو آپ لوگ یہیں کھائیں، میں نے صورتحال بتائی، کہنے لگے کہ میں فیصل سے بات کرتا ہوں وہ بھی یہیں کھالے۔انھوں نے فیصل سے بات کرکے اس کو اس پر راضی کرلیا کہ وہ بھی یہیں کھائے۔کچھ دیر میں شاندار قسم کا دسترخوان لگا جس پر دسیوں قسم کی ڈشیں تھیں، ہر ڈش ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔کھانا کھا کر عصر سے کچھ پہلے مولانا شفیع اللہ کے گھر پہنچے۔یاسر بھائی کی حسن ضیافت اور اعلیٰ اخلاق کا نقش اب تک دل پر تازہ ہے۔رب کریم انھیں دین ودنیا کی صلاح وفلاح اور وسعت وکشادگی سے

نوازے اور ہر طرح کی خیرات وبرکات سے بہرہ ورفرمائے، انھوں نے ہم نو واردوں کے ساتھ بڑی انسیت اور اپنائیت کا برتاؤ کیا۔

مولانا شفیع اللہ کے یہاں پہنچنے کے بعد فیصل نے۔۔۔جس کے ساتھ شارجہ جانا تھا۔۔کہا کہ میں ابھی مارکیٹ سے ہوکرآتا ہوں تو شارجہ نکلیں گے۔وہ مغرب کے کچھ دیر بعد آیا، العین سے نکلتے نکلتے عشاء کی اذان ہوگئی۔پورے امارات میں العین اپنے فطری مناظر، پرسکون ماحول اور مولانا شفیع اللہ وان کے اہل خانہ کی بے لوث خدمت اور یہاں کے لوگوں کی غیر معمولی محبت واپنائیت کی وجہ سے سب سے اچھا لگا، العین ہمارے یہاں کے لوگوں کا سب سے بڑا کاروباری مرکز ہے، جی چاہ رہا تھا کہ یہاں مزید کچھ وقت گزارا جائے لیکن نپے تلے وقت کی وجہ سے اس کی گنجائش نہ نکل سکی، وقت کی تنگی کی وجہ سے یہاں کا ایک اہم تفریحی مقام جبل حفیت دیکھنے سے رہ گیا۔

ہمارے راستہ میں شاہ نواز بھائی (کٹولی) کا گھر تھا، انھوں نے اپنی دوکان۔۔۔جس پران کے والد حاجی عبیداللہ کا نام جگمگا رہا تھا۔۔۔سے قریب روڈ پر ملاقات کی، ازراہ محبت واعزاز ہم دونوں کو شاندار قسم کا عطر تحفۃً پیش کیا اور الوداعی مصافحہ کیا، اللہ تعالیٰ انھیں خوش وخرم رکھے اور اس محبت پر بہترین اجر دے۔شارجہ سے کچھ پہلے ''مدام'' نامی ایک جگہ ہے، فیصل کا قیام اور اس کی دوکان یہیں ہے، کچھ دیر اس کی دوکان پر رک کر شارجہ کے لئے نکلے، یہاں ہمارے میزبان مولانا وزیر احمد ندوی ہمارے منتظر تھے، بار بار ان کا فون آرہا تھا کہ کہاں تک پہنچے۔مولانا موصوف خیرآباد سے متصل ولید پور کے رہنے والے ہیں اور استاذی مولانا ضیاء الدین صاحب کے رفیق درس اور مخلص دوست ہیں، ان کا ذکر ابتدائی سطروں میں آچکا ہے۔بارہ بجے کے قریب ہم لوگ مولانا وزیر صاحب کی قیام گاہ پر پہنچ گئے، یہاں پہنچا کر فیصل سلمہ نے واپسی کی اجازت چاہی اور بتایا کہ اس کے ایک دوست اس کا انتظار کررہے ہیں، اس لئے اجازت دیدی گئی، آج اس نے ہم لوگوں کی بہت خدمت کی، اللہ تعالیٰ اس حسن خدمت کی برکت سے ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ رکھے اور

ترقیات سے نوازے۔

مولانا وزیر صاحب نے اپنے نوعمر پوتے مازن سلمہ کے ساتھ ہمارا زوردار استقبال کیا۔ مولانا کا قیام بلڈنگ کی چھٹی منزل پر تھا، لفٹ سے چند سکنڈ میں مولانا کے فلیٹ میں پہنچ گئے، فوراً دسترخوان لگا، کھانے کے بعد دیر تک بات چیت ہوتی رہی، ڈیڑھ بجے کے قریب ہم لوگ سوئے۔

صبح بیدار ہونے کے بعد کم خوابی کی وجہ سے طبیعت میں گرانی تھی، نماز پڑھ کر چائے پی گئی، اس کے بعد سو گئے۔ نو بجے کے قریب مولانا نے خاصا پُرتکلف ناشتہ کرایا۔ مولانا وزیر صاحب ندوی خود صاحبِ علم وفضل ہونے کے ساتھ اہل علم کے قدرداں اور ایک احسان شناس انسان ہیں، مولانا ضیاء الدین صاحب تو خیر اُن کے رفیق قدیم وصدیق حمیم ہیں، میری مولانا سے شناسائی چند سالوں کی ہے۔ میرے مکتبہ ضیاء الکتب سے ان کی تین کتابیں [میری محسن شخصیات اول، دوم اور یارانِ مہر ووفا] شائع ہوچکی ہیں، ان کتابوں کی نشر واشاعت اور ترتیب وتزئین میں مَیں نے تھوڑا بہت تعاون جو ممکن ہوسکا کیا تھا، جس کو مولانا نے بہت سراہا اور قدر کی۔ اس کے بعد سے مولانا کی شفقتیں اور عنایات مجھ پر بہت ہیں، ان سفر میں اس کا خوب خوب ظہور ہوا، مولانا کے پورے اہل خانہ نے ہم دونوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور راحت وآرام کا ہر ممکن خیال رکھا، جزاهم الله خير الجزا۔ شارجہ میں ہم ان کے مستقل مہمان تھے، مولانا کا حکم تھا کہ جہاں جانا ہو جائیں لیکن قیام وطعام یہیں رہے گا، چنانچہ اسی پر عمل ہوتا رہا، البتہ اگر کہیں دعوت ہوتی تو مولانا کو مطلع کردیتے تھے تاکہ انتظار کی زحمت نہ ہو۔

عزیزم مولوی زہیر سلمہ نے جن سے سرزمین امارات پر اترنے کے بعد سب سے پہلے شارجہ ایرپورٹ پر ملاقات ہوئی تھی، رات میں فون کیا کہ تعطیل کی وجہ سے کل کا سارا دن میں نے آپ کے لئے خالی کررکھا ہے، میں دس بجے تک آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا پھر جہاں جہاں چلنا ہوگا میں ساتھ رہوں گا، ان کا قیام عجمان میں ہے، شارجہ سے ان کی جائے

قیام تیس چالیس کلومیٹر ہے، یہاں عمدہ گاڑیوں، بہترین روڈ اور ٹریفک کے شاندار نظام کی وجہ سے تیس چالیس کلومیٹر کیا سوڈیڑھ کلومیٹر کی مسافت کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔ وہ ساڑھے دس بجے تک اپنے نوسالہ صاحبزادہ عبد اللہ سلمہ کے ساتھ ہماری قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ آج کا پروگرام یہ تھا کہ پہلے درویش مارکیٹ جاکر مولوی عبد العظیم صاحب (مقیم: رحمت نگر اعظم گڑھ) سے ملاقات کرنی ہے، اس کے بعد جبل علی جانا ہے جہاں ہمارے کرم فرما مولانا نوشاد احمد صاحب مرحوم (سابق آرگنائزر جمعیۃ علماء ہند) کے بھتیجے اور داماد حافظ انیس احمد سلمہ ہیں، اس کے بعد جیسا وقت ہوگا یہاں کے تفریحی مقامات پر جانا ہے۔

گیارہ بجے کے قریب ہم لوگ مولانا وزیر صاحب کے یہاں سے نکلے اور پہلے درویش مارکیٹ پہنچے، مولوی عبد العظیم صاحب نے ہم لوگوں کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور بہترین ضیافت کی، استاذی مولانا ضیاء الدین صاحب سے ان کی پہلی ملاقات تھی، جب میں نے ان کا تعارف کرایا تو غائبانہ تو جانتے تھے لیکن صورت آشنا نہ تھے، اس تعارف پر ان کی خوشی دیدنی تھی، بعد میں مولانا اشرف بن مولانا زبیر (جھکہا) نے بھی فون پر تفصیلی تعارف کرایا تو انداز میں عقیدت کا عنصر پیدا ہوگیا۔ موصوف میرے شاگرد مولوی کلیم سلمہٗ کے بڑے بھائی، دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور اخلاق حسنہ سے متصف ایک نیک دل و پاک طینت شخص ہیں، میرے دل کو ان سے خاص انس اور مناسبت ہے، فطری طور پر ان کی گفتگو میں بڑی مٹھاس ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو دیکھ کر اور مل کر طبیعت منشرح ہوجاتی ہے۔ ان کی کئی دوکانیں ہیں، وہ اپنی ''تبوک'' نامی دوکان پر تھے، وہیں پر ملاقات ہوئی تھی، ان کے والد حاجی محمد نسیم صاحب نے جن کا ابھی ۴؍نومبر ۲۰۲۲ء کو انتقال ہوگیا، (اللہ ان کو غریق رحمت فرمائے۔) یہاں کاروبار شروع کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس میں خوب برکت دی، یہاں کے خوشحال لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، مال کے ساتھ بخشش وعطا کا حوصلہ بھی اللہ نے دے رکھا ہے۔

یہیں ظہر کی نماز ادا کی گئی، نماز میں مولانا محمد سلیم شیروانی اور مولانا خالد مسعود

(منگراواں) سے ملاقات ہوئی،تھوڑی دیر بات ہوئی ان کا ذکر آئندہ آئے گا،ان لوگوں کا اصرار تھا کہ کھانا کھا کر جائیں، میں نے کہا کہ آج تو ہم جبل علی میں مدعو ہیں،ان شاءاللہ کسی روز آتے ہیں پھر کھانا کھائیں گے۔ان لوگوں سے اگلی ملاقات کا وعدہ کرکے عزیزم مولوی زہیر سلمہ کی گاڑی سے ان کی رہنمائی میں جبل علی کے لئے روانہ ہوگئے۔استاذی مولانا ضیاء الدین صاحب کی معیت کی وجہ سے سفر میں کہیں بوریت نہیں ہوتی تھی چاہے جتنا طویل سفر ہو،مولانا ایک باغ وبہار شخص ہیں،ان کی معلومات کا دائرہ بڑا وسیع ہے، ہر موضوع پر عمدہ اوردلچسپ گفتگو کرتے ہیں۔بارک اللہ فی حیاتہ

جبل علی:

ہم لوگ ظہر کی نماز پڑھ کر ایک بجے کے قریب شارجہ سے جبل علی حافظ انیس سے ملاقات کے لئے نکلے،اس کی مسافت شارجہ سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر ہے۔جبل علی دوبئی کے جنوبی مضافات میں ایک عظیم بندرگاہ اور بڑا تجارتی مرکز ہے۔ٹریفک کے ازدحام کی وجہ سے دوبجے کے قریب جبل علی پہنچے۔حافظ انیس یہاں ایک ریسٹورنٹ چلاتے ہیں، ہماری آمد پر انھوں نے جس مسرت کا اظہار کیا وہ بیان سے باہر ہے، یہ اظہار مسرت قولاً بھی تھا اور عملاً بھی۔پہلے تو مشرقی یوپی کی روایت کے مطابق چائے پانی کا دور چلا،اس کے بعد انھوں نے ریسٹورنٹ کی جتنی اہم ڈشیں تھیں سب کو تیار کرنے کا حکم دیا، اس دوران ہم لوگ ریسٹورنٹ سے نکل کر بندرگاہ کی طرف گئے ،معلوم ہوا کہ اندر جانے کے لئے خصوصی اجازت نامے اور پاس کی ضرورت ہوتی ہے یا بندرگاہ میں رہنے والا کوئی بلائے تب اندر جاسکتے ہیں۔ہمارے لئے ان میں سے کوئی صورت نہ تھی اس لئے اندر نہ جاسکے۔

اس ریسٹورنٹ کا نام''ریسٹورنٹ خالد''تھا، یہ ایک بہترین قسم کا مطعم ہے، جب دسترخوان لگا تو دیکھا کہ دو قسم کی مچھلی فرائی متعدد قسم کے اسٹو، سالن اور کباب موجود تھے، حافظ انیس نے ضیافت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی ،ان کی تو آرزو اور تمنا یہ تھی کہ کیا کچھ نہ کھلا دیں،لیکن ظاہر ہے کہ انسان گنجائش کے بقدر ہی کھاسکتا ہے، انھوں نے واپسی کے

وقت ہمارے لئے تیار کیا ہوا سارا کھانا پیک کر کے ساتھ کر دیا۔ حافظ انیس سلمہ اور مولانا نوشاد صاحب مرحوم کے صاحبزادے مولوی محمد سلمہ آج سے بیس بائیس سال پہلے مدرسہ شیخ الاسلام شیخو پور میں زیر تعلیم تھے، مولانا نوشاد صاحب سے شناسائی تو ابتداء عمر سے تھی، ان دونوں سے بھی بہت قریبی تعلقات رہے اور اب تک ہیں، یہی وجہ ہے جب حافظ انیس کو معلوم ہوا کہ میں امارات آیا ہوں تو انھوں نے فون کر کے اصرار کے ساتھ اپنے یہاں مدعو کیا، اللہ تعالیٰ ہمیشہ انھیں خوش وخرم رکھے۔ یہاں سے عصر کی نماز پڑھ کر واپسی ہوئی۔

ابن بطوطہ مال:

مولوی زہیر سلمہ نے کہا کہ ابھی وقت ہے دوبئی یہاں سے قریب ہے چل کر مشہور زمانہ برج خلیفہ اور دوسرے مقامات کو دیکھ لینا چاہئے۔ پہلے ہم لوگ ابن بطوطہ مال پہنچے، اس مال کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ابن بطوطہ نے جن جگہوں اور ملکوں کی سیاحت کی ہے اس کے لئے الگ الگ ہال بنائے گئے ہیں اور وہاں کی تہذیب وثقافت کو اس میں نمایاں کیا گیا ہے۔ ابن بطوطہ [۱۳۰۴ء۔۱۳۶۹ء] مراکش کے شہر طنجہ کا رہنے والا تھا جو اس وقت حکومت اندلس کے ماتحت تھا، پہلا ہال ساحۃ اندلس ہے، اس میں سب سے پہلے اندلسی سائنسداں عباس بن فرناس [۸۱۰ء۔۸۸۷ء] کا مجسمہ ہے جسے اڑان کے تجربات کی حالت میں بنایا گیا ہے، ان کا اہم کارنامہ تاریخ انسانی کی پہلی پرواز ہے۔ دوسرا ہال ساحۃ تیونس ہے، اسی طرح ساحۃ الہند وساحۃ الصین ہے، اتنا ہی دیکھنے کے بعد ہم تھک گئے اور آگے کی ہمت نہ کر سکے، تب تک مغرب کا وقت بھی ہو گیا تھا، اس شاپنگ مال میں بھی ایک ہال نماز کے لئے مختص ہے اس میں مغرب کی نماز ادا کی گئی اس کے بعد مزید آگے جانے کے بجائے گزرے ہوئے راستہ سے لوٹے تا کہ گاڑی کو تلاش کرنے میں پریشانی نہ ہو۔

برجِ خلیفہ کے دامن میں:

یہاں سے نکل کر دوبئی کے اس علاقہ کا قصد کیا جو اپنی فلک بوس عمارتوں کے لئے مشہور ہے، یہاں ہم لوگ دوبئی مال میں پہنچے جو دنیا کا سب سے بڑا شاپنگ مال کہا جاتا ہے

،اسی سے متصل دنیا کی سب سے بلند و بالا عمارت برج خلیفہ ہے۔دوبئی مال میں گاڑی کی پارکنگ کے لئے دس بارہ منزلیں ہیں، گاڑی پارک کر کے مال میں پہنچے، یہ اس قدر وسیع وعریض ہے کہ اگر کوئی رہبر نہ ہوتو مطلوبہ جگہ پر پہنچنا ناممکن ہے، مولوی زہیر سلمہ ہماری رہنمائی کے لئے موجود تھے، اس میں راستوں اور مقامات کی رہنمائی کے لئے جگہ جگہ اسکرینیں نصب ہیں جس پر اپنی مطلوبہ جگہ ٹائپ کیجئے تو وہ اسکرین پر آجائے گی اور اسکرین سے مطلوبہ جگہ تک ایک سرخ لکیر بن کر آجائے گی اور ایک بارکوڈ بھی آجاتا ہے جسے اپنے موبائل میں اسکین کر لینے سے وہ نقشہ موبائل میں آجاتا ہے، اس کی مدد سے ہم لوگ اپنی مطلوبہ جگہوں پر پہنچتے رہے ورنہ رہبر سمیت اسی میں بھٹکتے رہتے۔اس مال میں دنیا بھر کی اشیاء موجود تھیں، اسی کے ساتھ کہیں مصنوعی آبشار ہیں تو کسی حصے میں پچاسوں قسم کی مچھلیوں کو رکھا گیا ہے جن کی چلت پھرت دیکھنے والوں کے دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے، صرف اس مال کو ٹھیک سے دیکھنے کے لئے کئی دن چاہئیں۔آٹھ بجے کے قریب مال کے اس حصے میں پہنچے جو برج خلیفہ سے متصل ہے، اس وقت یہاں ''واٹر شو'' کے نام سے دس منٹ کا ایک پروگرام ہوتا ہے جس میں ایک مخصوص قسم کی روشنی میں عربی موسیقی کی دھن پر پانی کی لہروں کا ایک کھیل پیش کیا جاتا ہے جو بس دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔اس دلچسپ پروگرام میں اس قدر بھیڑ ہوتی ہے کہ کھوئے سے کھوا چھلتا ہے اور تل رکھنے کی جگہ نہیں ہوتی ہے۔ برج خلیفہ نگاہوں کے سامنے تھا لیکن وہ امیروں کی تفریح گاہ ہے، اس کی ایک سو پچیس منزل تک جانے کا ٹکٹ اس دن دو سو پچاس درہم تھا جو انڈین کرنسی میں ساڑھے پانچ ہزار سے زائد ہوتا ہے اور ٹاپ فلور تک جانے کا ٹکٹ چار سو درہم کے قریب تھا جو انڈین نو ہزار روپے سے زائد ہوتا ہے، اس لئے اس تفریح سے دور رہنے میں ہی عافیت نظر آئی۔

دس بجے یہاں سے واپسی ہوئی، گیارہ بجے مولوی زہیر سلمہ نے ہمیں مولانا وزیر صاحب کی رہائش گاہ شارجہ چھوڑا اور عجمان واپس ہو گئے ان کی وجہ سے آج بہت سی جگہوں پر بسہولت پہنچ گئے۔جزاہ اللہ خیر الجزاء

شارجہ کا نام سب سے پہلے اس وقت سنا تھا جب ۱۹۸۴ء میں یہاں پہلا ایشیا کپ کرکٹ ٹورنامنٹ منعقد ہوا تھا، شیخ عبدالرحمٰن بخاطر اس کے روح رواں تھے، کرکٹ ٹورنامنٹ کے انعقاد کی وجہ سے شارجہ نے بہت شہرت حاصل کی، ایک روز ایک دوست نے کہا کہ چلو یہاں کا اسٹیڈیم دکھائیں، میں نے کہا کہ اب اس سے دلچسپی نہیں رہی ورنہ ایک دور وہ تھا کہ اگر اس وقت آجاتے تو اسٹیڈیم کے ساتھ شیخ بخاطر سے بھی ملاقات کی کوشش کرتے مگر ع

یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا

باوجود کثرت اسفار کے جب کسی سفر میں ہفتہ عشرہ گزر جاتا ہے تو میری طبیعت اکتانے لگتی ہے، اب یہ کیفیت طاری ہونے لگی تھی، وہ تو ہمارے دوست احباب اس قدر شگفتہ مزاج اور مستعد تھے کہ وقت گزرنے کا پتہ نہ چلا۔ صبح سے دوپہر تک کا وقت مولانا وزیر صاحب کی معیت میں گزرتا، مولانا اور ان کے اہل خانہ ہماری ضیافت ودلداری میں لگے رہتے۔ ظہر بعد وہ اپنے اسکول چلے جاتے اس کے بعد ہم لوگ بھی کہیں نہ کہیں نکل جاتے۔ ایک روز مولانا شفیق صاحب کے برادر نسبتی نسیم بھائی جو شارجہ میں الفصاحہ کے ذمہ دار ہیں آگئے اور اپنے آفس لے گئے۔

کچھ دیر عجمان میں:

مولوی زہیر سلمہ دوبئ میں پڑھاتے ہیں، انھوں نے ایک روز کہا کہ میں دوبئ سے واپسی میں آپ لوگوں کو لے کر اپنے گھر عجمان چلوں گا، رات کا کھانا وہاں کھائیں پھر صبح دوبئ جاتے ہوئے شارجہ چھوڑ دوں گا۔ وہ مغرب کے وقت شارجہ آئے اور نماز کے بعد ہمیں لے کر عجمان روانہ ہوئے۔ ع جمان بھی یہاں کی ایک امارت ہے، یہ ابوظبی، دوبئ، شارجہ اور العین کے بعد امارات کا پانچواں بڑا شہر ہے، عجمان کا اکثر حصہ شارجہ اور خلیج فارس سے متصل ہے۔

عجمان شہر سے گزرتے ہوئے ایمریٹس سٹی پہنچے، یہ ایک جدید رہائشی شہر ہے جو

عجمان سے پندرہ بیس کلومیٹر دور ہے، یہاں جدید طرز کے بیس بیس پچیس منزلہ فلیٹ ہیں، محسوس ہوا کہ یہ ایک نیا شہر بسایا جارہا ہے جو ابھی تکمیل کے مرحلہ میں ہے، تکمیل کے بعد یہ ایک خوبصورت شہر ہوگا۔ مولوی زہیر کا قیام ایک تیس منزلہ فلیٹ کی تیئیسویں منزل پر تھا، اس میں رہائش کے لئے پچیس منزلیں ہیں، کار پارکنگ کے لئے چاراور آخری منزل پر ہیلتھ کلب ہے جہاں جاکر لوگ صحت بناتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر عشاء کی نماز پڑھی گئی پھر کھانا کھاکر ٹہلنے کے لئے نکلے، پہلے تیسویں اور آخری منزل پر گئے، یہاں سے عجمان اور ام القوین کا منظر بڑا خوشنما اور جاذب نظر تھا، پورا علاقہ روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد ہم لوگ نیچے آئے اور روڈ پر ٹہل پھر کر گیارہ بجے بستر پر پہنچے۔ مولوی زہیر سلمہ کا اسکول صبح ساڑھے سات بجے سے ہے، اس لئے یہ چھ بجے گھر سے نکل جاتے ہیں، ہم لوگوں نے پونے چھ بجے فجر کی نماز ادا کی، اس کے بعد ناشتہ کرکے چھ بجے یہاں سے نکل گئے، اس وقت اسکول اور دیگر ملازمتوں پر جانے والوں کی وجہ سے کافی رَش تھا، سات بجے کے قریب ہم لوگ شارجہ پہنچے اور آرام کے لئے لیٹ گئے۔

دوبئی میں مولانا محمد خالد ندوی کانپوری کی دعوت:

منگل ۲۱؍فروری کو مولانا ضیاء الدین صاحب اور مولانا وزیر صاحب کے رفیق درس مولانا محمد خالد کانپوری کے یہاں رات میں دعوت تھی، مولانا موصوف ندوہ کے ممتاز فضلاء میں سے ہیں اور تین چار دہائیوں سے دوبئی میں امامت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، ان کے تفصیلی حالات کے لئے مولانا وزیر صاحب کی کتاب ''یارانِ مہر ووفا'' ملاحظہ فرمائیں۔ طے یہ ہوا کہ مولانا وزیر صاحب حسب معمول ظہر کے بعد اسکول چلے جائیں اور وہیں رات نو بجے دوبئی میں ہم لوگوں سے ملیں اور ہم اپنے طور پر عصر بعد دوبئی پہنچ جائیں۔ ہمارے خیرآباد کے قدیم فضلاء میں ایک مولانا انوار احمد صاحب مظاہریؒ تھے جو میرے والد کے گہرے دوستوں میں سے تھے، وہ طویل عرصہ تک یہاں رہے، ان کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا خلیق الزماں قاسمی یہاں بیروت کے ایک اسکول میں ہیں۔ انھوں نے

کہا کہ میں اسکول سے آنے کے بعد اپنی گاڑی لے کر شارجہ آتا ہوں اور آپ لوگ میرے ساتھ دوبئی آجائیں۔ وہ عصر کے وقت ہماری قیام گاہ پر آگئے اور ہمیں لے کر دوبئی پہنچے۔ ان کا قیام دوبئی کے معروف علاقہ سطوہ میں ہے، پہلے اپنی قیام گاہ پر لے کر گئے، مغرب کا وقت قریب تھا، نماز یہاں کی ایک عظیم الشان مسجد الجامع السطوۃ میں ادا کی گئی، پوری مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی، مغرب اور عشاء میں یہاں اکثر مساجد کو نمازیوں سے پُر دیکھا۔

مغرب بعد مولانا خلیق الزماں صاحب کے ساتھ ان کے علاقہ کو گھوم پھر کر دیکھا اور کچھ خریداری بھی کی، اسی دوران فتن پور سرائے میر کے مولانا فیضان احمد صاحب بھی تشریف لے آئے، مولانا موصوف ۱۹۹۵ء کے فضلاء دارالعلوم میں سے ہیں، فضیلت کے علاوہ ان کی مکمل تعلیم بیت العلوم سرائمیر میں ہوئی، اس ادارہ سے ان کا اور ان کے خاندان کا قدیم تعلق اور لگاؤ ہے، ان کے آباء واجداد میں سے شیخ کرمن بن جہاں گیر نے اپنی اراضی بیت العلوم پر وقف کی تھی جیسا کہ تاریخ بیت العلوم مصنفہ مولانا ابن الحسن قاسمی صفحہ 54 پر مذکور ہے۔ مولانا موصوف دس سال مدرسہ بیت العلوم سرائمیر میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد دوبئی آگئے۔ مولانا نے جس محبت وخلوص کا معاملہ کیا میرا قلم اس کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ عشاء کی نماز کے بعد ہمیں مولانا خالد ندوی کے یہاں جانا تھا، مولانا خلیق الزماں صاحب سے اجازت لے کر مولانا فیضان صاحب کی معیت میں ہم لوگ دوبئی کی پبلک ٹرانسپورٹ سے یہاں کے میٹرو اسٹیشن روانہ ہوئے جہاں مولانا وزیر صاحب کو آنا تھا۔ دوبئی میں دہلی میٹرو کی طرح کارڈ سسٹم ہے، بس میں داخل ہوکر یہ کارڈ ایک مشین سے چچ کرنا ہوتا ہے، اسی طرح اترتے وقت یہ کارڈ لگانا ہوتا ہے جس سے فاصلہ کے اعتبار سے کرایہ کی رقم کٹ جاتی ہے، دہلی میٹرو کی طرح یہاں بھی نقد رقم دے کر ٹکٹ کا سسٹم بھی ہے لیکن یہاں تقریباً سبھی لوگ کارڈ ہی استعمال کرتے ہیں جسے ''نول'' کارڈ کہا جاتا ہے، اسی لئے دوبئی آتے وقت مولانا وزیر صاحب اور زہیر سلمہ نے اپنا اپنا کارڈ دیدیا تھا۔

نو بجے مولانا وزیر صاحب سے ملاقات ہوئی، اوران کی رہنمائی میں ہم لوگ خالد صاحب کی مسجد میں پہنچے، مولانا کی قیام گاہ یہاں سے کچھ فاصلہ پر ہے وہ اپنی گاڑی لے کر آئے اور ہم لوگوں کا پرجوش خیر مقدم کیا اور ہمیں لے کر ایک ریسٹورنٹ میں پہنچے اور وہیں زوردار قسم کی ضیافت کی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد گیارہ بجے کے قریب ہمیں مولانا وزیر صاحب کی قیام گاہ پر اپنی گاڑی سے پہنچایا۔ اس کے بعد انھوں نے اور مولانا فیضان صاحب نے واپسی کی اجازت چاہی، مولانا خالد صاحب بڑے دلچسپ آدمی ہیں، لیکن ان سے ملاقات بہت مختصر رہی، کاش کہ کچھ اور وقت ان کی معیت میں گزرتا۔

اب قیام امارات کے صرف دو تین روز رہ گئے تھے، سفر سے چند روز پہلے میں اعظم گڑھ اپنے ایک بہت محترم دوست مرزا برکت اللہ بیگ سے ملنے گیا تھا، ابھی عمرہ کے سفر سے وہ لوٹے تھے۔ دوران ملاقات امارات کے سفر کا ذکر آ گیا تو انھوں نے کہا کہ آپ دوبئی میں میرے بڑے بھائی مرزا رحمت اللہ بیگ اور چھوٹے بھائی مرزا دانش بیگ سے ضرور ملیں۔ مرزا برکت اللہ بیگ جنھیں میں صرف ''برکت بھائی'' کہتا ہوں، سراپا خیر وبرکت ہیں، میرے ان سے مراسم وتعلقات ایک عرصہ سے ہیں، دین پر استقامت، احکام شریعت کے متعلق ایک ایک چیز کو معلوم کر کے اس پر عمل کرنا اور ایثار وقربانی کا جوجذبہ میں نے ان کے اندر پایا وہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں بہت کم لوگوں میں دیکھا ہے، اس وجہ سے میرے دل میں ان کی بہت قدر ہے اور ان کی خاطر بہت عزیز ہے۔ انھوں نے دونوں بھائیوں کا رابطہ نمبر بھی دیدیا تھا، امارات پہنچنے کے ایک ہفتہ بعد جب ابوظبی اور العین سے ہو کر شارجہ پہنچا تو میں نے ان دونوں حضرات کو میسیج کر کے اپنی آمد کی خبر دی، پھر موبائل پر رابطہ ہوا، دو دن تک تو ایسا ہوا کہ صرف بات ہوتی رہی ان لوگوں کی روٹین کی مصروفیات اور ہم لوگوں کی بھاگ دوڑ کی وجہ سے ملاقات کی کوئی صورت نہیں ہو پا رہی تھی۔ 22ر فروری بدھ کو دانش بھائی نے کہا کہ اپنی قیام گاہ کی لوکیشن بھیجیں، میں آفس سے نکلنے کے بعد آپ سے ملاقات کر کے گھر جاؤں گا، وہ عشاء کے بعد تشریف لائے اور اپنی مصروفیات کے

حوالہ سے بہت معذرت کی کہ چاہنے کے باوجود مصروفیت کی وجہ سے اب ملاقات ممکن ہوسکی ان سے ملاقات کر کے بہت جی خوش ہوا، یہ بھی اپنے بھائی کے عکس اور پرتو معلوم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب بھائیوں اور جملہ خاندان پر اپنا خاص فضل فرمائے۔ان کے بڑے بھائی مرزا رحمت اللہ بیگ سے اگلے روز ملاقات ہوئی،جس کا ذکر اگلی قسط میں آئے گا۔

راس الخیمہ کی سیر:

راس الخیمہ امارات کی وہ ریاست ہے جو متحدہ امارات میں سب سے بعد میں شامل ہوئی ہے، یہ شارجہ سے تقریباً پچاسی کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے، یہاں میرے ایک دوست مولانا فصیح الدین بنگلوری ہیں، جو میرے رفیق درس مولانا فہیم الدین بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند کے شاگرد ہیں،انھیں کے توسط سے ان سے شناسائی ہوئی تھی،ان سے پہلی ملاقات چندسال پہلے مولانا فہیم الدین بجنوری کے دسترخوان پر دیوبند میں ہوئی تھی، پھر قیام بھی مہمان خانہ میں ایک ہی کمرے میں رہا، یہ راس الخیمہ میں اوقاف کی ایک مسجد میں امام ہیں۔ بدھ کے روز عشاء بعد ان سے بات ہوئی تو کہنے لگے کہ اگر آپ پسند کریں تو میں کچھ دیر میں شارجہ آجاؤں اور آپ میرے ساتھ راس الخیمہ آجائیں اور اگلے دن راس الخیمہ اوراس سے متصل ام القوین والفجیر ہ کے تاریخی وتفریحی مقامات دیکھ لیں، میں نے کہا کہ اس وقت تونہیں کل صبح آپ آجائیں، وہ صبح دس بجے اپنے دوست مولانا عبیداللہ ندوی کے ہمراہ ہماری قیام گاہ پر پہنچے، مولانا عبیداللہ بھی یہیں ایک مسجد میں امام ہیں۔ مولانا فصیح الدین کا وطن چمپارن بہار ہے،ان کے والد ایک عرصہ سے بنگلور میں مقیم ہیں۔ وہیں مولانا شعیب اللہ خاں صاحب کے مدرسہ مسیح العلوم میں ان کی تعلیم ہوئی،مولانا فہیم الدین بجنوری سے یہیں انھوں نے شرف تلمذ حاصل کیا،جلالین شریف پڑھ کر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ اور ۲۰۰۹ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

استاذی مولانا ضیاءالدین صاحب اب سفر کے اس تسلسل سے تھک چکے تھے، وہ کہنے لگے کہ اب تم جاؤ میں آرام کروں گا، لیکن جب راس الخیمہ کے حالات سنے تو جانے

کے لئے تیار ہو گئے۔ساڑھے دس بجے ہم لوگ شارجہ سے نکلے، عجمان اور ایمریٹس سٹی سے گزرتے ہوئے ام القوین پہنچے، ام القوین آبادی کے لحاظ سے متحدہ عرب امارات کی سب سے چھوٹی ریاست ہے اور رقبہ کے لحاظ چھٹے نمبر پر ہے، بندرگاہ ہونے کی وجہ سے یہ ایک تجارتی مرکز ہے، یہاں مولانا فصیح الدین کے ایک دوست رہتے ہیں، وہاں جانے کا ارادہ تھا لیکن شہر کے قریب پہنچ کر ارادہ فسخ کرنا پڑا، اس لئے کہ ظہر کی نماز ہمیں راس الخیمہ میں پڑھنی تھی اور شہر میں جا کر ظہر تک راس الخیمہ پہنچنا ممکن نہ تھا۔ام القوین اور راس الخیمہ دونوں ساحل سمندر پر ہیں، ایک جگہ ساحل پر سیاحوں کا ہجوم تھا، گاڑی روک کر ہم لوگ وہیں اتر گئے اور پائنچے چڑھا کر کچھ دور تک سمندر میں گئے، اس کی پرشور لہریں آتی اور گھٹنوں تک پانی آ جاتا، یہ بڑا پرلطف منظر تھا، تاحد نگاہ نیلگوں سمندر تھا، کہیں کہیں اس میں چھوٹے جہاز نظر آ جاتے، کچھ دیر سمندر کی موجوں سے کھیلتے رہے۔یہاں سے کچھ دور پر ''المرجان آئس لینڈ'' تھا جو شاندار قسم کی تفریح گاہ ہے، یہاں بھی کچھ دیر رہے۔ابوظبی، دوبئی اور شارجہ پر جدید تمدنی اثرات اس قدر غالب ہیں کہ عربی تہذیب وثقافت اور بدویانہ رنگ وآہنگ کا کہیں اتا پتا نہیں ہے، لیکن راس الخیمہ اور ام القوین میں کتابوں میں پڑھے ہوئے پرانے عرب کی کچھ جھلک نظر آئی، صحرائی مناظر، اونٹوں کی ڈار اور بھیڑوں کے ریوڑ جا بجا نظر آئے، کہیں کہیں صحرا میں خیمے نظر آئے، پوچھنے پر مولانا فصیح الدین نے بتایا کہ چھٹی کے دنوں میں عرب یہاں پکنک اور تفریح کے لئے آتے ہیں۔

یہ قدرتی مناظر دیکھ کر ذہن کی رَو پندرہ سو سال پہلے کے ان صحرانشینوں کی طرف مڑ گئی جنھوں نے ایسے صحراؤں سے نکل کر روم وفارس کی حکومتوں کے تختے الٹ دئے تھے، یہی سب سوچتے اور ان مناظر فطرت کو دیکھتے ہوئے ظہر کی اذان کے وقت مولانا فصیح الدین کی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔میں نے گزشتہ صفحات میں لکھا ہے کہ یہاں ائمہ کی رہائش گاہیں عموماً مسجد سے متصل ہوتی ہیں، مولانا کی قیام گاہ بھی ان کی مسجد سے بالکل متصل ہے، یہاں پہنچ کر استنجا وضو سے فارغ ہو کر ظہر کی نماز ادا کی۔یہ مسجد شہری ہنگاموں سے قدرے دور ایک

پرسکون جدید آبادی میں واقع ہے، یہاں صرف عرب لوگ آباد ہیں، شہر کی بھیڑ بھاڑ سے عربوں کو ایک گونہ وحشت ہے، اس لئے شہری مساجد میں بہت کم عربوں کو دیکھا، معلوم ہوا کہ عرب گاؤں کے پرسکون ماحول کو پسند کرتے ہیں اوران کی قیام گاہیں بیشتر ایسی آبادیوں میں ہیں جو شہری ہنگاموں سے دور ہیں۔نماز کے بعد مولانا نے کھانا کھلایا جو بطور خاص انھوں نے ہمارے لئے تیار کروایا تھا، یہ خالص بہار کے گاؤں کا سادہ مگر انتہائی لذیذ کھانا تھا، ان کے اپنی گھر کے لان میں بوئی بھنڈی اور بیگن کا بھرتا اور سبزی دیکھ طبیعت خوش ہوگئی کہ یہاں راس الخیمہ میں بھی بہار کی کھیتی باقی رکھے ہیں، ہمارے اطراف کا سادہ اور لذیذ کھانا مولانا ضیاء الدین صاحب کو بہت مرغوب ہے، مجھے بھی ان کی ضیافت کا فطری انداز بہت پسند آیا اس لئے ہم نے اپنی عام خوراک سے زیادہ شکم سیر ہوکر کھایا، کسی قسم کی گرانی کا احساس نہیں ہوا کیونکہ زودہضم بھی ہوتا ہے۔ارادہ یہ تھا کہ عصر سے پہلے یہاں سے نکل جائیں گے لیکن مولانا کی رائے یہ تھی کہ عصر کے بعد یہیں مسجد سے متصل ساحلی تفریح گاہ (بیچ) پر چلیں گے اور پھر مغرب کی نماز کے بعد واپسی ہوگی۔اس پروگرام کو سن کر کچھ دیر کے لئے سو گئے کہ دن بھر کی بھاگ دوڑ کی وجہ آرام کا تقاضا ہورہا تھا۔عصر کی اذان سے کچھ پہلے بیدار ہوئے اور لیمونی چائے پی گئی پھر نماز عصر کے لئے مسجد پہنچے۔

چند عربوں سے ملاقات:

عصر کی نماز میں ایک درجن کے قریب لوگ تھے اور سب کے سب یہاں کے قدیم عرب باشندے تھے ،عربوں میں اب تک ان کی قدیم خصوصیات ضیافت ومہمان نوازی اوراعلیٰ اخلاق کسی نہ کسی درجہ میں باقی ہیں، انھوں نے ہم دواجنبیوں کو دیکھا توسلام و مصافحہ کیا اور مولانا فصیح الدین سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جب انھوں نے بتایا کہ یہ ہندوستان کے علماء ہیں اور وہاں تفسیر وحدیث اور فقہ کے بڑے جید استاذ ہیں تو بڑے تپاک اور محبت سے ملے، ان میں ایک شیخ ابوعبدالرحمن عیسیٰ نے پوچھا کہ ان کا قیام کب تک ہے؟ مولانا فصیح الدین صاحب نے بتایا کہ ابھی مغرب کی نماز کے بعد یہ لوگ واپس چلے جائیں

گے، یہ سن کر انھوں نے افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ میں ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں اور دیر میں میری واپسی ہوگی، آپ ان معزز مہمانوں کو میری طرف سے دو دو سو درہم ہدیۃً پیش کر دیں، میں آ کر آپ کو دیتا ہوں۔ وہیں ایک دوسرے عرب شیخ سلطان تھے، انھوں نے امام صاحب سے کہا کہ ان کو لے کر میرے گھر آیئے، ہم لوگوں نے بہت معذرت کی کہ ابھی ہمیں ساحل سمندر پر جانا ہے لیکن کوئی معذرت مسموع نہ ہوئی۔ مسجد سے قریب ہی ان کا گھر تھا، کچھ دیر میں ہم لوگ بیچ پر جانے کے لئے تیار ہو کر نکلے اور پہلے شیخ سلطان کے گھر پہنچے جو نہایت وسیع اور کشادہ اور خوبصورت گھر تھا، شیخ نے اپنے بھائی شیخ حسن کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور مہمان خانہ میں لے گئے اور عربوں کے روایتی انداز میں شاندار ضیافت کی، جس میں قہوہ کے علاوہ معجون التمر، تربوز اور کچھ میٹھے اور پھل تھے۔ معجون التمر عمدہ کوالٹی کی کھجور کا بیج نکال کر اسے مکسر میں ڈال کر معجون کی شکل میں بنا دیتے ہیں اور قہوہ کے ساتھ چمچ سے کھائی جاتی ہے، جو بہت لذیذ ہوتی ہے، شیخ سلطان ہم سے ہندوستان کے احوال پر گفتگو کرتے رہے خاص کر مسلمان کے بارے میں دلچسپی سے باتیں کرتے رہے اس بات پر افسوس بھی تھا کہ کبھی ہندوستان جانے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن ہندی مسلمانوں سے محبت ہے جب کہ، ان کے بھائی شیخ حسن نے بتایا کہ وہ ہندوستان جا چکے ہیں، ان دونوں حضرات کی ضیافت کا انداز بہت والہانہ تھا، ہر چیز خود ہی اٹھا کر دیتے اور باصرار کھلاتے رہے ادھر ہمارا حال یہ تھا کہ مزید کھانے کی گنجائش نہ رہی، کھجور اور تربوز کے بارے میں کہا کہ ان دونوں کو ضرور کھایئے، حدیث میں ہے کہ کھجور کی گرمی کو تربوز کی ٹھنڈک سے دور کرو، ہزار انکار کے باوجود پیٹ بھر کر ان لوگوں نے کھلا دیا۔ شیخ سلطان سرکاری محکمہ میں کسی اعلیٰ عہدہ پر ہیں اور ان کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ خاصے تعلیم یافتہ ہیں، ان کی عربی زبان بسہولت سمجھ میں آتی تھی۔ مولانا ضیاء الدین صاحب کو اردو کی طرح عربی بولنے پر بھی بہترین قدرت حاصل ہے، تھوڑی بہت عربی میں بھی بول لیتا ہوں، اس لئے افہام وتفہیم میں کسی قسم کی دقت نہیں ہوئی۔ آدھ گھنٹے کے بعد اجازت لے کر رخصت ہوئے، الوداعی مصافحہ ومعانقہ کے وقت شیخ

سلطان نے کہا کہ آئندہ جب کبھی آنا ہوتو شارجہ آنے کے بعد ہی ہمیں مطلع کردیں تا کہ ہم اپنے اعتبار سے آپ کا حضرات کا استقبال کریں، واپسی کے وقت اپنے باغ کی کھجور کے دوکارٹون بھی ہدیۃً پیش کئے۔ ان لوگوں سے مل کر دل بہت خوش ہوا، راس الخیمہ اپنے محل وقوع اور اپنے مکینوں ہر دو اعتبار سے بہت اچھا لگا۔

یہاں سے ہم لوگ ساحل پر پہنچے، شام کا وقت تھا، تماش بینوں کی بھیڑ تھی، غروب آفتاب کا وقت تھا، ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے سورج سمندر میں ہی غروب ہورہا ہے، اسے دیکھ کر ذوالقرنین کے سفر کا قرآنی قصہ ''وجدها في عين حمئة'' کا منظر یاد آگیا۔ یہاں نوعمر عرب بچے فور وہیلر اور ٹو وہیلر کو عجب عجب انداز میں نچاتے پھر رہے تھے، جسے دیکھ کر ہم جیسوں کی روح فنا ہوتی تھی۔ امارات میں سائیکل جیسی ایک سواری دیکھی جو بیٹری سے چلتی تھی، سمندر کے بیچ پر اور شہر میں اس کا بہت استعمال دیکھا، یہ سائیکل سے چھوٹی بمشکل دوفٹ کی ہوتی ہے، جس میں دو چھوٹے پہیے ہوتے ہیں اس پر کھڑے ہوجاتے ہیں پیڈل کی جگہ پیر رکھنے کی جگہ ہوتی ہے، ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر نیم خمیدہ ہوکر اسے چلایا یا کنٹرول کیا جاتا ہے، چلانے والے اس قدر مشاق ہوتے ہیں کہ اسے تیزی سے بھگاتے ہیں اگر کوئی ذرا بھی نوآموز ہوتو دوقدم پر گرے بغیر فرصت نہیں معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ چھ سو درہم میں دستیاب ہے۔ ساحل پر ایک جگہ بچوں کے لئے جھولے اور بڑوں کے لئے ورزش کے مختلف سامان موجود تھے، جہاں عورتیں بچے اور مرد الگ الگ حصوں میں موجود تھے۔ ان سب مناظر سے لطف اندوز ہونے کے بعد بالکل مغرب کے وقت واپسی ہوئی اور نماز کے بعد ہم شارجہ کے لئے نکلے اور راس الخیمہ شہر میں پہنچے، یہ شہر دو حصوں پر منقسم ہے، ایک مغربی حصہ جو قدیم شہر ہے اور دوسرا مشرقی حصہ جو جدید شہر اور النخیل کے نام سے مشہور ہے۔ سعودی عرب کی طرح امارات میں بھی ہر نماز اول وقت میں ہوتی ہے، اس لئے مغرب اور عشاء میں بمشکل سوا گھنٹے کا وقفہ ہوتا ہے، راس الخیمہ سے نکلتے نکلتے عشاء کا وقت ہوگیا اور عشاء کی نماز وسط شہر میں ادا کی گئی، یہیں مولانا فصیح الدین نے اپنے دوست مولانا عبیداللہ ندوی کو بھی بلا

لیا تا کہ واپسی میں وہ تنہا نہ رہیں حالانکہ ان کی طبیعت خوب ٹھیک نہیں تھی پھر ہماری محبت میں بخوشی تشریف لائے بالکل نوجوان اور مولانا ولی رحمانی کے دور سے رشتہ میں ہیں ۔

اب ہماری منزل شارجہ اور دوبئی کا سرحدی حصہ القصیص تھا جہاں ہمیں مرزا رحمت اللہ بیگ سے ملنا تھا جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے، یہ ہمارے دوست مرزا برکت اللہ بیگ کے بڑے بھائی ہیں ۔ابھی چھ ماہ قبل برین ہیمبریج کے شدید حملہ سے حیات نو پائی ہے،ان پر برین ہیمریج کے کئی اٹیک ہوئے ،ابھی حیات کے دن باقی تھے بروقت آپریشن اور بہتر سے بہتر علاج ہوا۔ساڑھے نو بجے ان کے گھر پہنچے،اپنی علالت کے باوجود ہمارا استقبال کیا،ان کا اصرار تھا کہ کھانا کھا کر جائیں لیکن آج ہمیں ہمارے دوست مولانا خالد مسعود اعظمی (منگراواں) نے کئی روز پہلے سے مدعو کرر کھا تھا،اس لئے معذرت کی گئی جو قبول کی گئی ۔موصوف نے اپنی بیماری کے جو احوال بیان کئے اسے سن کر اس یقین میں مزید اضافہ ہوا کہ موت کا تعلق اسباب سے نہیں وقت سے ہے، جب تک وقت پورا نہیں ہوگا تمام اسباب موت کے باوجود انسان زندہ رہے گا ،ورنہ اس طرح کے مرض میں لاکھوں میں سے ایک دو افراد ہی بچ پاتے ہیں ۔موصوف انھیں خوش قسمت افراد میں سے ہیں،اللہ تعالیٰ ان کو شفاء کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے ، واپسی کے وقت مشایعت میں گاڑی تک تشریف لائے اور کہا کہ کل دوپہر یا شام کو کھانے پر ضرور تشریف لائیں ،لیکن کل ہمارے قیام کا آخری دن تھا،اس لئے میں کوئی وعدہ نہ کرسکا کیوں کہ ابھی واپسی کی تیاری اور سامان وغیرہ پیک کرنے کا مرحلہ سب کچھ باقی تھا۔

یہاں سے سیدھے شارجہ درویش مارکیٹ پہنچے، جہاں مولانا عبدالعظیم اور مولانا خالد مسعود ہمارے منتظر تھے ،مولانا فصیح الدین اور مولانا عبید اللہ سے بھی کھانے کی درخواست کی گئی لیکن ان لوگوں کو ابھی راس الخیمہ واپس ہونا تھا،انھوں نے معذرت کی اور روانہ ہو گئے ۔مولانا فصیح الدین کا بہت ممنون ہوں کہ ان کی وجہ سے امارات کا وہ حصہ بھی دیکھ لیا جو بظاہر اس سفر میں ممکن نہ تھا۔مولانا فصیح الدین کا اصرار تھا کہ اگر رات راس الخیمہ

میں رک جائیں تو صبح امارات کی ساتویں ریاست الفجیرہ بھی چلیں گے اور یہاں کے مشہور پہاڑی سلسلہ جبل جیش کو بھی دیکھیں گے جو سطح سمندر سے دو ہزار میٹر بلند ہے، لیکن وقت نہ ہونے کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوسکا۔ اس طرح الفجیرہ نامی یہ ساتویں ریاست دیکھنے سے رہ گئی، یہ امارات کی واحد ریاست ہے جو خلیج عمان پر واقع ہے بقیہ تمام چھ ریاستیں خلیج فارس پر واقع ہیں، آئندہ اگر یہاں کا کوئی سفر ہوا تو اس کو دیکھنا ہماری پہلی ترجیح ہوگی۔

آج کی دعوت مولانا خالد مسعود کے یہاں تھی، ان سے میری شناسائی اس وقت سے ہے جب وہ مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں فارسی پڑھ رہے تھے، میں اس وقت حفظ قرآن کے بعد دور کر رہا تھا، ان کے چھوٹے بھائی طارق مسعود قاسمی عرف عرشی حفظ میں تھے۔ خالد مسعود فارسی پڑھ کر دیوبند چلے گئے تھے جہاں ان کے بڑے بھائی مفتی شاہد مسعود زیر تعلیم تھے، ان کی فراغت ۱۹۹۹ء میں دیوبند سے ہوئی ہے۔ ان سے دسیوں سال کے بعد ملاقات ہوئی تھی اور انھوں نے پرانی رفاقت اور تعلقات کا حق ادا کردیا۔ مولانا عبدالعظیم کے چھوٹے بھائی مولوی کلیم سلمہ کے ساتھ اس کا ایک خالہ زاد بھائی مولوی ابوبکر (مقیم: گوری) بھی شیخوپور میں زیر تعلیم تھا، ابوبکر، کلیم، خالد مسعود اور مفتی ارشد صاحب خالہ زاد بھائی ہیں۔ ابوبکر جس کا گھریلو نام ندیم ہے، اس وقت وہ گھر گیا ہوا تھا، اس کے والد حاجی صلاح الدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ دعوت حاجی صاحب کی قیام گاہ پر تھی جو ان مذکورہ حضرات کے خالو ہیں۔

گیارہ بجے ہم لوگ دسترخوان پر پہنچے، حاجی صلاح الدین صاحب نے ہمارا استقبال کیا۔ خالد مسعود کے چھوٹے بھائی طارق مسعود بھی آگئے ان سے ایک عرصہ کے بعد ملاقات ہورہی تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ایک بڑا مرحلہ یہ تھا کہ ہمارے مستقل میزبان مولانا وزیر صاحب کو دوسرے روز صبح فجر بعد عمان جانا تھا جہاں ان کے داماد رہتے تھے، وہاں کوئی تقریب تھی جس میں مولانا کو مع اہل وعیال شرکت کرنی تھی۔ یہ صورت حال میں نے مولانا عبدالعظیم کو بتائی تو انھوں نے کہا کہ کوئی بات نہیں، کھانے کے بعد مولانا کے

یہاں چل کرسامان وغیرہ لے آتے ہیں اور ایک روز یہیں ہمارے پاس قیام کریں، چنانچہ کھانے کے بعد انھوں نے اپنی گاڑی نکالی۔ میں، مولانا ضیاءالدین اور طارق مسعود مولانا عبدالعظیم کی گاڑی سے مولانا وزیر صاحب قیام گاہ پر پہنچے، اس وقت بارہ بج رہے تھے۔ مولانا سے الوداعی ملاقات کی اور سامان لے کر درویش مارکیٹ آ گئے۔

اب ہمارا قیام مولانا خالد مسعود کے ساتھ تھا، جو ایک چھ منزلہ بلڈنگ کے چھٹے فلور پر رہتے ہیں۔ سامان وہاں منتقل کیا گیا اور ایک بجے کے بعد سونے کی نوبت آئی۔ فجر کی اذان پر اٹھے اور نماز کے بعد ہلکی پھلکی تفریح کے بعد خالد مسعود نے چائے پلائی اور بتایا کہ آج جمعہ ہے اور یہاں جمعہ تک بازار وغیرہ بند رہتے ہیں اور لوگ جمعہ تک اطمینان سے سوتے ہیں۔ ہم لوگ بھی کمرے میں آ کر سو گئے، مجھے فجر بعد سونے کی عادت نہیں ہے اس لئے اس وقت نیند نہیں آتی۔ رات میں مولانا ضیاءالدین کے صاحبزادے حارث وقار سلمہٗ العین سے آ گئے تھے تاکہ سامان وغیرہ پیک کرنے اور دوسری ضروریات میں ہماری مدد کریں، ان کی وجہ سے تمام امور میں بڑی سہولت رہی۔ صبح انھوں نے فون کر کے بتایا کہ میں رات اپنے ایک دوست کے پاس آ گیا تھا اور دس بجے یہاں آ جاؤں گا، لیکن وہ جمعہ کے وقت آ سکے، اس دوران میں نے اپنا لکھنے کا معمول پورا کیا اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر بارہ بجے مسجد میں پہنچ گیا۔ امام جمعہ کے لب ولہجہ سے محسوس ہوا کہ بنگلہ دیشی ہیں۔ العین میں تو خطبہ مکمل عربی زبان میں ہوا تھا، یہاں چونکہ اردو جاننے والوں کی ایک بڑی تعداد تھی اس لئے امام نے خطبہ کا اردو ترجمہ بھی سنایا۔ عربی لہجہ تو بالکل اہل زبان جیسا تھا لیکن اردو لہجہ سے معلوم ہو گیا کہ اہل زبان نہیں ہیں۔

آج دوپہر کا کھانا مولانا عبدالعظیم کے یہاں تھا، نماز کے بعد وہ ہمیں لے کر اپنے فلیٹ پر آ گئے، انھوں نے دعوت میں خاصا اہتمام کیا تھا۔ کھانا کھا کر مولانا ضیاء الدین صاحب اپنے صاحبزادے کے ساتھ مارکیٹ چلے گئے اور میں آرام کے لئے خالد مسعود کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر آ گیا۔ عصر سے کچھ پہلے میرے محب وکرم فرما ڈاکٹر سلمان

صاحب (سابق پرنسپل شبلی کالج، وموجودہ صدر شعبہ کامرس) کے داماد کاشف آفتاب کا فون آیا کہ میں آپ کے پاس آرہا ہوں، آپ کو ہمارے یہاں چلنا ہے۔ کاشف صاحب کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر گئے، ڈاکٹر صاحب کی صاحبزادی حفصہ سلمہا اور اس کے بیٹے ابراہیم اور نومولود بچی عائشہ سے مل کر مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سب کو خوش وخرم رکھے اور دین ودنیا کی سہولت وکشادگی عطا فرمائے۔ عصر کی نماز ان کے گھر پر پڑھ کر واپسی ہوئی۔ قیام گاہ پر آنے کے بعد دیکھا کہ حارث سلمہ سامان کی پیکنگ میں مشغول ہیں، عشاء سے پہلے پہلے انھوں نے سب سامان نہایت سلیقہ کے ساتھ پیک کر دیا اور ہم لوگوں سے اجازت لے کر اپنے مستقر العین روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اس فرمانبردار واطاعت شعار نوجوان کو اپنے شایان شان اجر عطا فرمائے۔

عشاء سے کچھ پہلے میں جھک کر ایک سامان اٹھا رہا تھا کہ اچانک کمر میں چمک پڑ گئی جسے ہم لوگ اپنے عرف میں ''چلک'' کہتے ہیں، اس سے کمر میں ایسی تکلیف ہوتی ہے کہ الامان والحفیظ، آدمی اس وقت اٹھنے بیٹھنے کے لائق نہیں رہ جاتا ہے۔ کچھ دیر بعد درد کی دوا کھائی لیکن کوئی خاص افاقہ نہیں ہوا، میں اس لائق نہیں تھا کہ اٹھ کر عشاء کی نماز پڑھ سکوں۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اگر یہی کیفیت رہی تو کل سفر کیسے کروں گا۔ اسی دوران میرے ایک شاگرد مولوی محمد زاہد مئوی جو دوبئی رہتے ہیں ملنے آئے، وہ چاہتے تھے باہر چل کر کسی ہوٹل میں کھانا کھایا جائے، لیکن میرا حال یہ تھا کہ ٹھیک سے اٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ مرزا رحمت اللہ بیگ صاحب کا فون آیا، ان سے صورتحال بتائی تو انھوں نے ایک اسپرے کا نام لیا کہ اسے منگا کر تکلیف کی جگہ پر اسپرے کریں، مولوی زاہد سلمہ اسے لے کر آئے۔ کچھ دیر میں مولوی زہیر سلمہ اپنے بچوں کو لے کر عجمان سے الوداعی ملاقات کے لئے آ گئے، میں لیٹے ہوئے ان سے بات کرتا رہا، دس بجے کے بعد یہ لوگ رخصت ہوئے۔ اس کے بعد مولانا محمد وسیم شیروانی (مہتمم جامعۃ الشیخ اسعد مدنی جونپور) اور ان کے چچازاد بھائی مولانا محمد سلیم شیروانی آ گئے۔

جس روز ہم لوگ امارات پہنچے تھے اسی روز معلوم ہوا کہ مولانا وسیم صاحب آئے ہوئے ہیں، فون پر بات بھی ہوتی رہی لیکن ملاقات اس وقت ہوئی جب ہماری واپسی میں چند گھنٹے رہ گئے تھے۔ مولانا وسیم صاحب ایک باصلاحیت عالم دین اور ہمارے دیار کے معروف خطیب ومقرر ہیں، ۱۹۹۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کی تکمیل کی اور جامعہ حسینیہ میں مدرس ہوگئے، بائیس سال تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد گزشتہ سال مستعفی ہوگئے، دوران تدریس مشکوٰۃ اور جلالین جیسی اہم کتب زیر درس تھیں، دس سال تک طلبہ کی انجمن اصلاح البیان کے سرپرست اور نگراں کی حیثیت سے بھی کام کیا اور طلبہ کی علمی استعداد کے ساتھ تقریری اور تحریری صلاحیت کو پروان چڑھانے میں انتھک محنت کی جس کا اعتراف ہر شخص کو ہے۔ اس وقت تاراپور جونپور میں جامعۃ الشیخ اسعد مدنی کے مہتمم اور جمعیۃ علماء جونپور کے صدر ہیں۔ مولانا سلیم شیروانی، مفتی محمد ارشد صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں، یہ بھی دارالعلوم دیوبند کے فضلاء میں سے ہیں، سن فراغت ۲۰۰۵ء ہے۔ ان سے پہلی ملاقات چند سال پہلے جامعہ عزیزیہ سہریا کی شوریٰ کی میٹنگ میں ہوئی، جو بعد میں مخلصانہ تعلقات میں بدل گئی۔ امارات آنے کے بعد ان سے ایک مختصر سی ملاقات العین میں ہوئی تھی، یہ ایک متحرک وفعال شخص ہیں اس وقت جمعیۃ علماء سرائمیر کے صدر ہیں۔ ان کے والد مولانا محمد شمیم صاحب ایک طویل عرصہ تک العین میں رہے، یہاں ان کی دو کانیں ہیں جس پر مولانا سلیم کے بھائی مولوی عبدالعلیم وغیرہ رہتے ہیں۔

مولانا خالد مسعود مسلسل میری تیمارداری میں رہے، گیارہ بجے کے قریب میں نے بیٹھ کر عشاء کی نماز پڑھی۔ مولانا عبدالعظیم نے فون کیا کہ خالد مسعود کے ساتھ آکر کھانا کھالیں، میں نے کہا کہ تکلیف کی وجہ سے آنا ممکن نہیں، کھانے کے بعد سب لوگ یعنی مولانا وسیم شیروانی، سلیم شیروانی، عبدالعظیم، خالد مسعود اور ان کے بھائی طارق مسعود، مولوی خالد مہتمم دارارقم جونپور کھانا لے کر کمرے میں آئے، مولانا عبدالعظیم نے ایک دوا دی کہ اسے کھانے کے بعد کھالیں ان شاء اللہ افاقہ ہوجائے گا۔ یہ لوگ ڈیڑھ بجے تک بیٹھے رہے،

باتیں ہوتی رہیں۔فجر کے معاً بعد ہی ایرپورٹ نکلنا تھا اس لئے اسی وقت سامان گاڑی میں رکھ دیا گیا اور سونے کے لئے لیٹ گئے، یہ اس سفر کی آخری رات تھی۔

ہمارے اس سفر سے وہاں کے دوستوں، تلامذہ اور متعلقین کو بھی بہت خوشی ہوئی، بار بار تقاضا کرتے رہے کہ دوسری دفعہ آنے کا کوئی پروگرام ضرور بنائیں ہماری وجہ سے ان مصروف ترین کاروباری لوگوں کو بھی بہت سے ایسے مقامات پر جانے کا موقع نکالنا پڑا جہاں وہ برسوں سے جا نہیں سکے تھے، ہماری سیاحت نے ان احباب کو بھی تفریح کرنے کے مواقع فراہم کردیئے ،چونکہ یہ آخری رات تھی اس لئے دیر تک جاگنے میں گزری۔ طارق مسعود اپنی طالب علمی کے دلچسپ قصے سناتا رہا جس سے نہ صرف کافی محظوظ ہوئے بلکہ ہنسنے ہنسانے سے سفر کی تھکان بھی جاتی رہی، اللہ سب کو اپنی شایان شان عزت وشوکت سے نوازے۔آمین

واپسی:

الوداع اے امارات! صبح آنکھ کھلی تو اٹھنے کے بعد چمک کی تکلیف میں کمی محسوس ہوئی، فجر کی نماز کمرے پر پڑھی۔نماز کے بعد مولانا عبدالعظیم اور مولانا خالد مسعود کے ساتھ ناشتہ کرکے گاڑی میں بیٹھے اور ایرپورٹ روانہ ہوگئے۔یہاں کے وقت کے مطابق نو بج کر پچپن منٹ پر فلائٹ تھی، سات بجے ہم لوگ ایرپورٹ پہنچ گئے اور ان دونوں عزیزوں کو باچشم نم الوداع کہا، انھوں نے اخیر کے دو دن میں بہت خدمت کی، جزاھم اللہ خیراً

مجھے چلنے میں دقت ہورہی تھی ، اس لئے ایرپورٹ میں داخل ہوکر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد امیگریشن والے حصے میں پہنچے، سامان وزن سے چند کلو زائد تھا لیکن عملے کے لوگوں نے چشم پوشی سے کام لیا۔ بورڈنگ پاس لے کر انتظار گاہ والے حصے میں آگئے۔ فلائٹ وقت سے پندرہ منٹ لیٹ تھی لیکن اپنے مقررہ وقت سے پانچ منٹ پہلے سواتین بجے بنارس پہنچ گئی۔امارات میں دیکھا کہ حکومتی اہلکار عوام کو زیادہ سے زیادہ سہولت پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جلد لوگوں کو کام سے فارغ کردیا جائے، جبکہ

برصغیر کے اہلکاروں کا مزاج اس کے بالکل برعکس ہے، یہ ہر وہ کام کرتے ہیں جس سے لوگ پریشان ہوں۔ فلائٹ میں تقریباً دوسوافراد تھے، ان کا سامان چند منٹ میں آ گیا، لیکن اس کے بعد پریشانی کا دور شروع ہوا، سارے لوگوں کا سامان اس طرح اسکین کیا جانے لگا جیسے یہ لوگ ڈاکا ڈال کر آ رہے ہوں، تین چار اسکین مشینیں تھیں جس میں سے صرف ایک کو چالو کیا گیا، جس کی وجہ سے مسافروں کی ایک لمبی لائن لگ گئی، ڈیوٹی پر موجود پولیس اہلکار مشین کے پاس آ کر اس طرح نظر گاڑ کر کھڑے ہو گئے جیسے شکاری اپنے شکار کی تاک میں رہتا ہے۔

اتنی سست روی سے کام ہو رہا تھا کہ طبیعت اکتا گئی، چار بجے کے بعد ہم لوگ ایر پورٹ سے باہر آ سکے، جبکہ ابھی ہمارے پیچھے سوڈیڑھ سو لوگ لائن میں لگے تھے۔ باہر ہمارے مدرسہ کے ناظم مولانا عبدالعظیم صاحب اپنے بھتیجے مولوی محمد ہاشم سلمہ کے ساتھ استقبال کے لئے موجود تھے۔ مولانا موصوف ایک متحرک وفعال، نرم مزاج اور خدمت گزار قسم کے انسان ہیں، ۲۰۰۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے ہیں، مدرسہ تحفیظ القرآن کا وجود بیشتر ان کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ تحریری وتقریری دونوں صلاحیتیں قابل رشک ہیں لیکن اہتمام کے بوجھ تلے دبی جارہی ہیں۔ ایر پورٹ سے نکلنے کے بعد نماز عصر ادا کرنے کی فکر تھی، دان گنج میں بالکل روڈ پر ایک مسجد ہے، وہیں قدرے تاخیر سے عصر کی نماز پڑھی اور چائے پی کر روانہ ہوئے۔ لال گنج بائی پاس والی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھی اور اپنے دوست ڈاکٹر ارشد کو فون کیا جو کہہ رہے تھے کہ واپسی میں ہمارے کلینک پر آ کر وزن کرا لیجئے گا کہ دو ہفتے میں کتنا وزن بڑھا ہے، لیکن افسوس کہ وہ ایک ضروری کام کی وجہ سے باہر گئے ہوئے تھے، اس لئے ملاقات نہ ہو سکی۔ عشاء سے کچھ پہلے بخیر وعافیت گھر آ گئے۔

اس طرح دو ہفتے کا سفر تمام ہوا، امارات پہنچنے کے بعد دوست، احباب، متعلقین اور تلامذہ نے جس پذیرائی اور والہانہ محبت کا ثبوت دیا اسے دیکھ کر خواجہ آتش کا یہ شعر اکثر یاد آتا رہا ؎

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

واقعی سفر میں ایسے مخلص اور محبت کرنے والے بندوں کا مل جانا تپتے ہوئے صحرا میں نسیم صبح کے خوشگوار جھونکوں کی طرح ہوتا ہے، جو پورے وجود کو سرشار کردیتے ہیں، ان کی وجہ سے سفر حضر سے بھی آسان ہوجاتا ہے۔ ابوظبی میں مولانا شفیق صاحب نے تین دن تک اپنے آپ کو ہمارے لئے وقف کررکھا تھا، مسجد شیخ زائد، کورنیش ابوظبی اور دوسرے مقامات پر لے گئے۔ العین میں مولانا شفیع اللہ اوران کے اہل وعیال نے ضیافت ومہمان نوازی کا اعلیٰ معیار پیش کیا، انھوں نے وہاں کے مناظر فطرت اورآل نہیان شاہوں کے قدیم وجدید محلات وقصور دکھائے۔ عزیزم مولوی ابوشمہ سلمہ، حارث وقار سلمہ اور اس کے دوستوں (فیصل، عظیم بھائی اوراظفر وغیرہ) کا ایثار وقربانی اوران کی محبت ہمیشہ یادرہے گی۔ عزیزم مولوی زہیراز ہر سلمہ نے اپنے آپ کو جس طرح ہمارے لئے وقف کررکھا تھا اسے کیسے بھلایا جاسکتا ہے، شاہ نواز بھائی (کٹولی) نے طبیعت کی ناسازی کے باوجود وقت دیا۔ مولانا وزیر صاحب تو مستقل داعی اور میزبان ہی تھے، عمان کے سفر اور دوسری وقتی مصروفیات کے باوجود انھوں نے اوران کے صاحبزادے حمود سلمہ اور دیگر اہل خانہ نے مہمان نوازی میں کوئی کمی نہیں روا رکھی۔ اسی طرح مولانا فصیح الدین (راس الخیمہ) مولانا عبدالعظیم ومولانا خالد مسعود نے اپنی تمامتر مصروفیات کے باوجود اچھا خاصا وقت دیا اور ساتھ رہے، مولانا عبدالعظیم نے کسی طرح اپنے بھائی مولوی کلیم سلمہ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔

اللہ تعالیٰ ان تمام محبین ومحسنین کو اپنے شایانِ شان اجر عطا فرمائے اور دین ودنیا کی وسعت وکشادگی اور صلاح وفلاح سے نوازے۔ آمین

رودادِ سفر تو مکمل ہوچکی ہے، اب جی چاہتا ہے کہ متحدہ امارات کے بہترین نظم ونسق اور وہاں جو کچھ میں نے دیکھا یا محسوس کیا اس کا اجمالی ذکر کروں۔

متحدہ عرب امارات، بہترین نظام حکومت اوراس کی خصوصیات:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عرب امارات کے حکمرانوں نے اپنے ملک کی خوشحالی،

امن وامان کو قائم کرنا،عوام کو سہولیات بہم پہنچانا اوراسے اقتصادی ومعاشی طور پر مضبوط کرنے کے لئے انتھک محنت کی اوراس سلسلہ میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہے، عرب ممالک کی یہ ترقیات کل پانچ چھ دہائیوں پر محیط ہیں ۔مولانا عبد الماجد دریابادیؒ نے اپنے سفرنامہ حج ''سفرحجاز'' میں جب انھیں ایک جگہ کچھ ٹھیک ٹھاک قسم کی سڑک مل گئی تو لکھا کہ ایسامحسوس ہورہا تھا جیسے ہم ہندوستان میں چل رہے ہوں ۔ یہ اس وقت کی صورتحال تھی اوراب ہندوستان اورعرب ممالک کا روڈ اور دیگر سہولیات میں کوئی تقابل ہی نہیں ۔ حقیقت یہی ہے کہ جب حکمراں ایماندار اوراپنے ملک ووطن کے لئے مخلص ہوں تو اسے ترقی کرتے دیر نہیں لگتی۔

کسی بھی ملک کی خوشحالی کے لئے دو چیزیں بڑی اہم اور بنیادی ہیں، ایک ملک کے حاکم کا انصاف پروراوراپنی عوام سے جڑا ہوا ہونا۔دوسرے وہاں کے لوگوں کے لئے بنیادی ضروریات کی فراہمی ہے، جب عوام کو بنیادی ضروریات وسہولیات حاصل ہونے لگتی ہے،توان کے مسائل باسانی حل ہونے لگتے ہیں جس سے عوام اور حکومتوں کے درمیان اعتماد بڑھتا ہے اورعوام کی ملک کے تئیں وفاداری وتابعداری سے ملک کی قانونی صورتحال بہت بہتر ہوجاتی ہے،جیسا کہ امارات میں دیکھنے اور سننے کو ملتا ہے۔اس سے ملک اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ترقی کی راہ پر گامزن ہوجاتا ہے۔

شیخ زایدؒ ۱۹۶۶ء میں ریاست ابوظبی کے حاکم بنے اوراس کے بعد جب امارات کا قیام عمل میں آیا تواس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔انھوں نے سب سے پہلے عدل وانصاف قائم کیا اور ملک کے بنیادی ڈھانچہ کی طرف توجہ کی، جس کے نتیجہ میں لمبی مسافت والی سڑکیں وجود میں آئیں ، امارات سات چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا مجموعہ ہے جیسا کہ میں شروع میں لکھ چکا ہوں اور ہر ریاست کی مسافت دوسری ریاست سے اچھی خاصی ہے مگر خوبصورت اورچکنی سڑکوں کی وجہ سے ساری دوریاں سمٹ جاتی ہیں، یہ سڑکیں اس قدر مسطح اور برابروہموار ہیں کی دھکا لگنا اوراچھل کود کا کوئی تصور ہی نہیں ،جس کی وجہ سے مسافت طے

کرتے ہوئے ذرہ برابر تکان نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ یہاں سو دوسوکلومیٹر کے سفر کو ایک معمول کی چیز سمجھا جاتا ہے۔روڈ کے کنارے اور شہروں میں تو فٹ پاتھ پر شجر کاری اور مختلف قسم کے رنگ برنگ کے پھولوں سے منظر اور بھی خوشنما ہوجاتا ہے۔شیخ زاید کے انتقال کو بیس سال ہورہے ہیں مگر آج بھی یہ حکمراں یہاں کے لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے اور لوگ اسے یاد کرتے رہتے ہیں۔

اسی طرح امارات میں بجلی کا نظام بہت مستحکم ہے، یہاں سارے تار انڈر گراونڈ ہیں، چاہے شہری ترقی یافتہ علاقہ ہو یا معمولی دیہاتی خطہ ہر جگہ بجلی موجود ہے، یہاں لوڈ شیڈنگ یا بجلی کٹوتی کا کوئی تصور نہیں ہوتی ہے،اگر کسی وجہ سے بجلی چلی جائے تو ہیلپ لائن نمبر پر کال کیجئے بنانے والے آئیں گے اور درست کرکے چلیں گے۔نظام کی عمدگی اور حسن ترتیب کی وجہ سے پورا خطہ بقعہ نور بنا رہتا ہے جو دل ونگاہ کو کھینچتا ہے اور روح کو سیراب کرتا ہے،بجلی کا نظام عمدہ ہونے کی وجہ سے کل کارخانے چلانے اور سامان تیار کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی ہے،بجلی ہونے کی وجہ سے جدید ٹیکنالوجک سسٹم جیسے کمپیوٹر اور ٹیلیفونک نظام بھی ہمہ وقت فعال رہتا ہے۔

اسی طرح پانی کا نظام بھی ہے،صحرائی علاقہ ہونے کے باوجود ہر جگہ بافراط پانی میسر ہوتا ہے،کہیں کوئی پائپ ٹوٹی پھوٹی نہیں ملے گی، ہر گھر میں بقدر ضرورت پانی دستیاب ہوتا ہے، پانی کی پائپ کا جال بالکل نئے انداز میں بنا ہوا ہے، جگہ جگہ بلاک بنے ہوئے ہیں اگر کبھی کہیں کوئی پائپ لیک ہوجائے تو کمپیوٹر کے ذریعہ اس کا پتہ لگ جاتا ہے اور جدید ٹکنالوجی کی مدد سے بہت جلد اس کا مسئلہ حل کردیا جاتا ہے۔میں نے لکھا ہے کہ یہاں کی حکومت نے جدید ٹیکنالوجی سے اپنے سسٹم میں بہت فائدہ اٹھایا ہے۔

حکومت مواطنین یعنی یہاں کے باشندوں کو (باہر سے آکر بسنے والے لوگوں کے مقابلے میں) بجلی اور پانی پر سبسڈی اور چھوٹ بھی دیتی ہے،یعنی ان کو پانی کی مقدار بھی زیادہ ملتی ہے اور بجلی کم قیمت پر مہیا کرائی جاتی ہے۔گھر ہر شخص کا بنیادی حق ہے،حکومت

اپنے ہر باشندوں کے لئے گھروں کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے پرعزم اور متحرک رہتی ہے، مختلف طرح کی اسکیمیں لائی جاتی ہیں اور انہیں یہاں کے باشندوں تک پہنچایا جاتا ہے، کبھی بیواؤں کو گھر الاٹ کیا جاتا ہے، کبھی گھروں کے لئے بینکوں سے قرض دیئے جاتے ہیں، کبھی شادی کرنے والوں کے لئے گھر کا نظام بنایا جاتا ہے، وہ بھی عمدہ اور تمام سہولیات سے آراستہ گھر ہوتا ہے۔حکومت اپنے باشندوں کی خوشی کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار رہتی ہے، ان کے ہر مسئلے کو سلجھانے کے لئے کمیٹیاں اور ادارے بنے ہیں جہاں پر خود مواطن اپنی ضروریات کا اندراج کراتے ہیں یا پھر حکومت سیکٹر وائز سروے کرا کے ان کے مسائل کو حل کرتی ہے۔

اسی طرح یہاں کی حکومت مسلسل اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں بنانے اور عوام کو راغب کرنے کی بھرپور کوشش کرتی رہتی ہے، طالب علموں کے لئے طرح طرح کے وظیفے جاری ہوتے ہیں، خود اسکولوں میں ان کے کھانے پینے اور تفریح کا بھرپور سامان موجود ہوتا ہے، عزیزم مولوی زہیر از ہر سلمہ نے اپنے اسکول کی اسپورٹ سے متعلق متعدد تصویریں بھیجی تھیں، وہاں منگل کو اسپورٹ ڈے ہوتا ہے۔تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کی طرف توجہ دلائی جاتی رہتی ہے، الگ الگ طریقے کا پروگرام چلایا جاتا ہے، استاذ شاگردوں کے رشتے بہتر کیسے ہوں اور طلباء کیسے اپنے اساتذہ سے بھرپور علمی استفادہ کریں اس کے لئے نشستیں ہوتی رہتی ہیں، کبھی کبھی ٹی وی اور ریڈیو سے بھی پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔حکومت تحقیق و ریسرچ کے میدان میں بہتری لانے کے لئے انتھک کوشش کر رہی ہے تعلیم کے ساتھ ساتھ ریسرچ کا ورکشاپ بھی جگہ جگہ لگتا ہے، جہاں پر جدید ٹیکنالوجی کی معلومات فراہم کی جاتی ہیں، یہاں کا تعلیمی رینک ڈیٹا کے مطابق 95 سے 98 تک پہنچ چکا ہے۔یہاں وزارت تعلیم و تربیت کے ذریعہ تعلیم بالغاں کا نظم بھی ہے، اگر کسی وجہ سے تعلیم ادھوری رہ گئی ہے اور اسے پورا کرنا چاہے تو اس کا بھی نظم ہے۔حکومت نے اسکولوں کے لئے ایک علاقہ مختص کر رکھا ہے، ہر ملک والوں کا پرائیویٹ اسکول بھی ہے، یہاں لوگ تعلیمی میدان میں خوب

انوسٹمنٹ کرتے ہیں، جس سے باہر والوں کو تعلیم مہنگی تو پڑتی ہے مگر سہولت بہت ہوتی ہے۔ اس بات سے بہت افسوس ہوا کہ ہمارے خطہ کے لوگوں نے تعلیمی میدان میں کوئی پیش رفت نہیں کی، وہ لوگ خیاطی اور لانڈری تک رہ گئے، تعلیمی ادارے بیشتر کیرلا اور ساؤتھ کے لوگوں کے ہیں اور بہت سے تعلیمی ادارے ہندؤں کے ہیں۔

یہاں کا ٹریفک نظام انتہائی مستحکم اور مرتب ہے، تقریبا ہر سڑک پر رفتار کی حد متعین ہے، جس کو بورڈ پر لکھ کر جگہ جگہ لگا دیا گیا ہے، اگر آپ میپ استعمال کریں تو وہ متعینہ رفتار کو بھی بتاتا ہے کہ اس مقام پر آپ کی رفتار کتنی ہونی چاہئے۔ تمام سڑکوں پر جدید آلات سے لیس کیمرے نصب ہیں جو کوئی بھی اوور اسپیڈ کی کوشش کرتا ہے کیمرے اسے پکڑ لیتے ہیں جس کے نتیجے میں اسے پنالٹی جسے امارات کی زبان میں مخالفہ کہا جاتا ہے بھرنا پڑتا ہے۔ یہاں کا ڈرائیوی لائسنس بہت ہی اہم ہوتا ہے، اس کے حصول کے لئے امتحان کے متعدد مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، جس میں سات ہزار درہم بھی خرچ ہوتے ہیں یعنی انڈین کرنسی میں ڈیڑھ لاکھ روپئے سے زائد۔

گاڑی کا لائسنس جس کو یہاں کی زبان میں ملکیہ کہا جاتا ہے، اس کی ہر سال تجدید کرنی پڑتی ہے، جس کے لئے گاڑی کو ٹیسٹنگ کے مرحلہ سے گزارنا پڑتا ہے، بغیر ٹیسٹ پاس کئے آپ کو تجدید (رینیول) پیپر نہیں مل سکتا ہے، ٹیسٹ سے گاڑی کا اندرونی سسٹم پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنا مستحکم ہے، اگر کوئی چیز خراب ہے یا ٹائر ایکسپائری تاریخ کو پار کر گیا ہے یا کوئی اور خرابی ہے، گاڑی سے دھواں نکل رہا ہے جس سے آلودگی بڑھے گی، اسی طرح ہر وہ چیز جس سے خطرہ ہوسکتا ہے یا وہ بدنما لگ رہی سب کو ٹھیک کرنا ضروری ہوتا ہے تب جا کر آپ کی گاڑی پاس ہوگی ورنہ آپ کی ملکیہ کی تجدید نہیں ہوگی، اور گاڑی کا پیپر ایکسپائر ہو یا انشورنس ختم ہوگیا ہو اور آپ روڈ پر نکلیں گے تو سڑکوں پر نصب کیمرے کی گرفت میں آجائیں گے اور پھر مخالفہ یعنی پنالٹی لگے گی، اس نظام کی سختی کی وجہ سے روڈ پر کوئی بدنما یا بہت شور شرابے والی گاڑی نہیں ملے گی، نہ ہی کوئی گندی اور پھوہڑ گاڑی ملے گی، اگر گاڑی

پر دھول زیادہ پڑی ہوتب بھی یہاں مخالفہ لگتا ہے، گاڑیاں بے ترتیب اور ہر جگہ نہیں کھڑی کی جاسکتی ہیں، اس لئے برصغیر کی طرح یہاں غلط پارکنگ کی وجہ سے جام نہیں لگتا ہے، یہاں بلا وجہ ہارن بجانے کی اجازت نہیں ہے، اسی لئے جب یہاں کے لوگ اپنے ملک کا سفر کرتے ہیں تو ہارن کا شور، دھواں اور گاڑی کے پرزوں سے نکلنے والی طرح طرح کی آواز کافی پریشان کن ہوتی ہے۔

یہاں ایمبولنس، فائر بریگیڈ اور ہنگامی طور پر جانے والی پولیس کی گاڑیوں کو راستہ دینا ضروری ہے ورنہ مخالفہ دینا ہوگا، اس پر سختی سے عمل کرانے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ جان ومال کا ضیاع کم سے کم ہو، ہم ہندستانیوں کے لئے یہ سب باتیں باعث حیرت ہوتی ہیں، اس لئے کہ ہم جہاں رہتے ہیں وہاں انسانی جان کی قیمت گائے بیل سے بھی کم ہے۔ ان سب امور کے لئے ٹریننگ اور عوامی فلیٹ فارم کے ذریعے عوام میں بیداری لائی جاتی ہے، ہر سال اس کا ڈاٹا بنایا اور جاری کیا جاتا ہے تاکہ مرنے اور زخمی ہونے والوں کا صحیح اندازہ کیا جاسکے۔

یہاں کا فائر بریگیڈ سسٹم بہت فعال ہے، چونکہ یہ ملک گرم خطے میں واقع ہے اور عموماً یہاں گیس بطور ایندھن استعمال ہوتا ہے، جس کی وجہ سے آگ لگنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے مگر سسٹم کے متحرک ہونے کی وجہ سے اموات کی شرح بہت ہی کم ہے، ہیلپ لائن نمبر پر کال کے چند منٹ بعد فائر عملہ موقع پر حاضر ہوجاتا ہے اور بچاؤ کاری کے ذریعہ نقصان بہت کم ہو پاتا ہے، یہاں بلڈنگوں میں ایٹو میٹک سیفٹی سسٹم ہر جگہ لگانا ضروری ہوتا ہے جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر بجلی یا گیس کا فالٹ ہوا تو الارم بجنے لگتا ہے اور اس جگہ بجلی کا سسٹم غیر فعال ہوجاتا ہے جس سے نقصان نہ کے برابر ہوتا ہے۔

یہاں امن وامان حکومت کی اولین ترجیحات میں سے ہے کہ ملک بالکل محفوظ اور مامون ہو، حکومت اس کے لئے کسی طرح کا رسک نہیں لینا چاہتی ہے، یہی وجہ پوری دنیا سے بے خوف وخطر لوگ یہاں آتے ہیں اور دنیا کی ہر بڑی کمپنی کے دفاتر یہاں موجود ہیں۔

امن عامہ کے لئے جن جن امور کی ضرورت ہے حکومت ان سب کو اختیار کرنے کے لئے مستعد اور تیار رہتی ہے، داخلی امن بغیر پولیس، سی آئی ڈی اور جدید آلات کی فراہمی کے ممکن نہیں، وہ سب کچھ یہاں پر موجود ہے۔ چونکہ یہاں پر دوسو سے زائد ملک کے لوگ رہتے ہیں، ان کے درمیان اعتماد کی بحالی کے لئے عدم تشدد اور عدم تعصب کے لئے پر عزم ہے۔ مذہبی تشدد سے روکتی ہے، اعتدال کا راستہ اختیار کرتی ہے جس کے لئے رواداری کو فروغ دینے کے لئے مسلسل کوشاں اور سرگرداں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت بزور طاقت کوئی اسلامی حکم نافذ نہیں کرتی ہے، اس نے اسلامی احکام پر عمل کے لئے تمام مواقع فراہم کر دیئے، اب یہ کرنے والے کے اوپر ہے کہ وہ کرے یا نہ کرے، حکومت کی اس رواداری پر اہل اسلام کو شکایت رہتی ہے جو بجا ہے۔ میرا احساس یہ ہے کہ حکومت اقتصادی سود وزیاں کو پیش نظر رکھ کر ہی اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھاتی ہے۔

یہاں ایک بات اور کہنے کا جی چاہتا ہے، کہ ہمارے ملکوں سے کمپنیوں کو لیبرز فراہم کئے جاتے ہیں جو بڑی محنت اور جاں فشانی سے اپنا فرض نبھاتے ہیں، اس سلسلہ میں کن کن دشواریوں اور مشقتوں سے دوچار ہوتے ہیں گھر والوں کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا ہے، ہمارے معاشرہ سے بیشتر ان پڑھ یا کم تعلیم والے آتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو خون پسینہ بہا کر بھی وہ زندگی نصیب نہیں ہو پاتی ہے جو دوسری قوموں کے افراد کو ملتی ہے، یہاں اگر تعلیم وٹیلینٹ کے ساتھ آیا جائے تو زندگی کا وہ روپ اور عیش وعشرت کے وہ لمحات نصیب ہوں گے جن کا اپنے ملکوں میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں ٹیلینٹ کی قدر بہت زیادہ ہے، یہاں اپنا مقام بنانے کے لئے دو زبان یعنی عربی اور انگلش میں مہارت لازم اور ضروری ہے، ورنہ امارات کا صحیح لطف نہیں لیا جاسکتا۔

یہ بات تو ایک عام آدمی بھی جانتا ہے کہ امن وامان کی صورت حال جس قدر بہتر ہوگی اسی اعتبار سے لوگ سرمایہ کاری کریں گے اور سیاحت کے لئے آئیں گے، جس سے ملک کی اقتصادی حالت بہتر ہوگی، کاروبار کے مواقع پیدا ہوں گے، نوکریاں نکلیں گی،

لوگوں کی قوت خرید بڑھے گی، بازاروں کی رونق بڑھے گی، کرنسی مضبوط ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ہسپتال اور فائر بریگیڈ کے ایمرجنسی نمبر کی طرح پولیس کی ایمرجنسی خدمات بھی ہیں، نمبر ڈائل کرنے کے چند منٹ بعد پولیس حاضر ہوجاتی ہے، اگر بڑی واردات نہ ہوتو موقع پر مسئلہ سنتی ہے اور صلح صفائی کی کوشش کرکے معاملات نپٹا دیتی ہے، اگر فریقین راضی نہ ہوں تو پھر معاملہ عدالت میں جاتا ہے، پھر جو عدالت کا پروسس ہوتا ہے وہ چلتا ہے۔ یہاں کی پولیس کے اخلاق بھی بہت حد تک امن وامان کو قائم رکھنے میں مدد کرتے ہیں، یہاں کے مقیم لوگوں سے سنا کہ اماراتی پولیس کبھی آپ کو گالی نہیں دے گی نہ ہی آپ سے رشوت لے گی، نہ چیخے گی چلائے گی نہ ہی یہاں پر کوئی ٹول ناکہ پر چیکنگ ہوتی ہے بلکہ پولیس والے جائے واردات پر پہنچ کر سلام کرتے ہیں، خیر خیریت پوچھتے ہیں، آئی ڈنٹی پروف کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کے خلاف وارنٹ ہوتو وہ بتاتے ہیں اور اپنی بہترین گاڑی میں بیٹھا کر جیل لے جاتے ہیں۔ انسانی حقوق واحترام کی پاس داری ہر آن رہتی ہے، جرم جس کا ہوگا یا شک جس پر ہوگا وہی لے جایا جائے گا، اندھے قانون کی طرح نہیں کہ باپ کے جرم کی پاداش میں بیٹا گالی گلوج سنے اور اسے ٹارچر کیا جائے اور باپ بیٹے کے جرم میں سزا یاب ہوجائے۔ یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ پولیس کے اخلاقی برتاؤ سے خوف کے بجائے تحفظ کا احساس ہوتا ہے، یہ برصغیر کے لوگوں کے لئے تصور سے بالاتر بات ہے۔ چوری لوٹ وغیرہ کی واردات پر چند گھنٹوں میں مال اور چور دونوں کی برآمدگی یقینی ہے، یہاں پر دوسرے ملکوں سے آیا ہوا لیبر طبقہ بہت زیادہ رہتا ہے، ان کے حقوق کی رعایت کی خاطر حکومت طرح طرح کے اقدامات کرتی رہتی ہے، ان کے سیلری (تنخواہ) کا سسٹم بینکوں سے جوڑ دیا ہے تاکہ وہ جہاں کام کررہا ہے اس کا مالک اس کی حق تلفی نہ کر سکے جیسا کہ سعودی عرب میں اکثر سننے میں آتا رہتا ہے۔ اسی طرح انویسٹر جو دوسرے ملکوں سے یہاں آکر پیسہ لگاتے ہیں ان کے لئے بہترین نظام ہے جس پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے، کوئی ملکی باشندہ یا بینک ان کے پیسوں کو ہڑپ نہیں سکتا ہے، ملکی باشندہ اور باہر سے آئے ہوئے دونوں کو کمپلین

کرنے کا یکساں حق حاصل ہے چاہے کوئی کتنا بڑا ہو۔اسی لئے اس ملک میں ماب لنچنگ ، مرڈر یا زنا بالجبر جیسے کرائم یا جرائم بہت کم دیکھنے اور سننے کو ملتے ہیں۔

جو رپورٹیں سامنے آئیں ان کے اعتبار سے امارات امن و امان کی بحالی میں دوسرے یا تیسرے نمبر پر ہے اور عورتوں کی حفاظت میں پہلے نمبر پر ہے، وہ دن ورات کے کسی بھی حصے میں کہیں بھی بے خوف وخطر آجاسکتی ہیں ، یہاں عورتوں ، بچوں ، بوڑھوں اور معذورین کی خاص رعایت کی جاتی ہے۔ یہاں سماجی جرم یورپ کی طرح بہت بڑا جرم سمجھا جاتا ہے ، مثلاً عورتوں یا کمزوروں کو دھمکانا ، پڑوسیوں کو پریشان کرنا وغیرہ ، اگر یہ بات ثابت ہوگئی تو اس پر ایک لاکھ درہم سے زیادہ فائن اور جیل ہے، اسی لئے امارات کی صبح اگر پر بہار ہوتی ہے تو شام اس سے بھی زیادہ پر رونق۔

امارات مسلمانوں کا ملک ہے، اس لئے جابجا اسلامی آثار پھیلے ہوئے ہیں، یہاں مساجد کی کثرت ہے، یہاں کی مساجد آباد بھی ہیں، پانچوں وقت اللہ اکبر کی صدائیں گونجتی ہیں، ایمان کو تازگی ملتی ہے تو روح کو غذا ، امارات کو یہاں کے حکام نے مساجد سے سجادیا ہے، اوقاف کی طرف سے امام و موذن مقرر ہیں ، تمام مساجد اور مدارس بلکہ ہر ایک کا نظام وزارت کی زیر نگرانی اور انہیں کی گائڈلائن کے تحت چلتا ہے۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ یہاں اذان موحد کا سسٹم ہر ہر خطہ میں قائم ہے، یعنی ایک ہی وقت میں ساری مسجدوں سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوتی ہیں، تقریبا 20 منٹ بعد ساری مسجدوں میں فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ مساجد میں صفائی ستھرائی کا نظام بہت عمدہ ہے، ہر مسجد میں صفائی کرنے والے متعین و مامور ہیں، مائک سسٹم بہت خوب ہے، یہاں پر اتنے سارے مسلک کے لوگ رہتے ہیں مگر سب آپس میں سیر وشکر ہیں، یہاں مسلکی بحث جو نزاع کی شکل اختیار کر جائے ایسا کرنا جرم ہے، یہاں کسی عالم کو حکومتی ادارہ اوقاف کی اجازت کے بغیر درس وتقریر کا حلقہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے، وقتا فوقتا عوام کی رہنمائی کے لئے پیپر پر لکھی ہدایات ائمہ کے ذریعہ عوام تک پہنچائی جاتی ہیں، اگر کسی کو مسئلہ پوچھنا ہے تو اس کے مرکز

الافتاء قائم ہے، آن لائن میسج یا کال کے ذریعہ معلوم کر سکتے ہیں، ہمارے مفتی ارشد شیروانی ابوظبی میں اسی طرح کی خدمت پر مامور ہیں۔

صفائی ستھرائی میں امارات اولین مقام پر ہے، میونسپل کارپوریشن بہت ہی فعال ہے، جگہ جگہ ڈسٹ بین رکھی ہوئی ہیں جس میں عوام کچرا پھینکتی ہے، سڑکوں پر بھی اس طرح کے کوڑا کرکٹ والے ڈبے رہتے ہیں، کچرے والی گاڑی صبح شام آتی ہے اور بھرے ہوئے ڈبے کو خالی کر کے لے جاتی ہے، صفائی ستھرائی کا بہت ہی اعلیٰ معیار پر خیال رکھا جاتا ہے، اب تو حکومت نے انہیں کچروں سے بجلی بنانے کے لئے بہت بڑا اسسٹم ڈال دیا ہے جو چیز ری سائکل ہوسکتی ہے اس کو کرنے کی طرف بھی قدم بڑھا رہی ہے، جس کی وجہ سے یہ ملک بہت ہی صاف ستھرا نظر آتا ہے۔

تمام حکومتی معاملات آن لائن سسٹم کے تحت ہیں، حکومتی اداروں میں جا کر دھکے کھانے کی ضرورت نہیں پڑتی، تمام کام ٹائپنگ سینٹر کے توسط یا خود ہی بہت سارے اپنے معاملات دیکھ سکتے ہیں، کبھی کبھی سسٹم کی خرابی کی وجہ سے متعلقہ اداروں سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ مختلف قسم کی تجارتی سہولیات فراہم ہیں، آپ جو تجارت بھی کرنا چاہیں ٹائپنگ سینٹر کے فلیٹ فارم سے آپ کی تمام کاروائی مکمل ہو جائے گی کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ وہ باتیں ہیں جو یا تو براہ راست تجربہ میں آئیں یا وہاں عرصہ سے مقیم لوگوں نے تواتر کے ساتھ اسے بیان کیا۔ باقی یہ ایک ملک اور حکومت کا نظام ہے خوبیوں کے ساتھ خامیاں ہر جگہ ہوتی ہے، جب ایک گھر اور کنبہ میں ایک دوسرے سے شکایات ہوسکتی ہیں تو اتنے بڑے نظام میں ایسا ہونا کچھ حیرت انگیز اور مستبعد نہیں ہے، لیکن بحیثیت مجموعی یہاں خوبیاں اور خیر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ باقی رکھے۔

☆☆☆☆☆

تعارف مصنف

نام: ضیاء الحق خیرآبادی (عرفیت حاجی بابو) والد کا نام: حاجی عبدالرحمن صاحبؒ

تاریخ ولادت: ۲۷ر رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ مطابق ۴ر اکتوبر ۱۹۷۵ء

تعلیم: پرائمری، حفظ اور فارسی وعربی اول تک تعلیم وطن کی معروف درسگاہ مدرسہ منبع العلوم خیرآباد میں حاصل کی۔ اس کے بعد ہمارے دیار کے مشہور عالم مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہنچے، مولانا نے ان کی خصوصی طور پر تربیت فرمائی اور جماعت سے ہٹ کر تین سال میں عربی دوم سے عربی پنجم تک کی دو کتابوں کے علاوہ تمام کتابیں خود پڑھائیں۔

شوال ۱۴۱۷ھ مطابق فروری ۱۹۹۷ء میں دارالعلوم دیوبند گئے اور مشکوٰۃ شریف کی جماعت میں داخلہ لیا۔ شعبان ۱۴۱۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۸ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔

تدریس: فراغت کے بعد شوال ۱۴۱۹ء مطابق جنوری ۱۹۹۹ء میں مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور میں مدرس ہوئے، جہاں شوال ۱۴۳۴ھ مطابق اگست ۲۰۱۳ء تک ۱۵ر سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد دو سال سراج العلوم چھپرہ ضلع مئو میں اپنے استاذ محترم مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ کی ایماء پر گئے، اور دو سال وہاں رہے۔ شوال ۱۴۳۶ھ مطابق اگست ۲۰۱۵ء سے تاحال دارالعلوم تحفیظ القرآن سکھٹی، مبارکپور میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ موصوف ایک بافیض مدرس ہیں، اس وقت ان کی تدریسی زندگی کو ۲۲ر سال ہو رہے ہیں، فارسی کی پہلی سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک کتابیں زیر درس رہی ہیں۔

تحریری سرگرمیاں: زمانہ طالب علمی سے ہی کچھ نہ کچھ لکھنے کا سلسلہ رہا۔ شیخوپور مدرس ہونے کے بعد ۱۲ر سال تک ماہنامہ ضیاء الاسلام کی ترتیب وادارت کی ذمہ داری متعلق رہی۔ اس کے بعد سکھٹی سے ایک سہ ماہی مجلہ رشد وہدایت نکالا، جس کی اشاعت ناسازگار حالات کی وجہ سے فی الحال موقوف ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کو یوماً فیوماً ترقیات سے نوازیں، آمین۔ (محمد ابواللیث خیرآبادی)

(یہ تعارف مولانا ڈاکٹر محمد ابواللیث خیرآبادی کی خودنوشت ''سرگزشتِ حیات'' سے لیا گیا ہے۔)